ضروری مسائل

انجکشن سے روزہ ٹوٹنے کا مسئلہ

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال؟

غیر صحابہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا کیسا؟

عرب میں کافر ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

اردو میں خطبہ پڑھنے کا مسئلہ

مسجد میں نماز جنازہ کا شرعی حکم

مسلمان کی قبر کیسی ہونی چاہیے؟

قبر وغیرہ کو سجدہ کرنا کیسا؟

فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی

آٹھ مُدلّل فتاویٰ کا شاندار مجموعہ

بنام

ضروری مسائل

تصنیف

مُفتی جلال الدین احمد امجدی

براؤں شریف۔ ضلع بستی

فہرست مضامین

تعارف

از خواجۂ علم و فن حضرت علّامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ

شیخ المعقولات دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف

پیش نظر کتاب "ضروری مسائل" اپنے عنوان ہی سے مضامین مندرجہ کی اہمیت پر دال ہے۔ یہ کتاب فقیہ العصر حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب قبلہ امجدی کی ان کتابوں سے ایک ہے، جن کتابوں نے ملک کے طول و عرض سے خراج تحسین اور نذر عقیدت کی ایک ڈھیر حاصل کر لی ہے یہ کتاب مسلمانان ہندو پاک کے مابین زیر بحث ان آٹھ مسائل پر مشتمل ہے جنکی صحیح واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے قوم مسلم تقریباً نصف صدی سے کسی نہ کسی طرح غلط فہمی کا شکار ہوتی رہی۔ حالت روزہ میں انجکشن۔ لاؤڈ اسپیکر اور نماز۔ غیر صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کا استعمال وغیرہ وغیرہ پر بھرپور فقہی بحث کی گئی ہے اور دلائل و براہین کے مربوط سلسلہ سے اس کی ایسی چمن بندی کی گئی ہے جسکی وجہ سے اس کی دلکشی دوبالا ہو گئی ہے۔ حضرت مصنف نے بیان کی روانی میں جابجا ایسا موڑ عطا فرمایا ہے کہ جہاں قلم کی نوک نے بہت سے مشکلات کی گرہیں کھول دی ہیں۔

یہ مینارۂ ہشت پہل اپنی ساخت کے اعتبار سے اتنا بلند قامت ہے کہ اس کی ہر ایک سطح گویا تحقیق کی اوج ثریا تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں قطعاً دو رائے نہیں کہ یہ کتاب عصر حاضر میں ایک ایسا روشن چراغ منزل ہے جس سے کاروان راہ شریعت کو صحیح راستہ مل جاتا ہے۔ اہل علم کے لئے ہشت مسئلے کا یہ ایک حسین گلدستہ ہے جسے اپنی دانش کدہ کی زینت کے لئے میز کے کسی حصہ میں رکھنا ضروری ہے آیئے آپ بھی اس برزخ مثمن کی سیر کریں وللہ الحمد

خواجہ مظفر حسین رضوی
۲۰ صفر المظفر ۱۴۰۴ھ

انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

بریلی شریف اور دیوبند کا متفقہ فیصلہ

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ حالت روزہ میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ المستفتی

عرفان احمد
اوجھا گنج ـــــ ضلع بستی

لَكَ الْحَمْدُ يَا اَللّٰهُ ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔

الجواب بعون الملک الوہاب ۔ تحقیق یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ چاہے رگ میں لگایا جائے چاہے گوشت میں۔ کیونکہ اس کے بارے میں ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ جماع اور اس کے ملحقات کے علاوہ روزہ کو توڑنے والی صرف وہ دوا اور غذا ہے جو مسامات اور رگوں کے علاوہ کسی منفذ سے صرف دماغ یا پیٹ میں پہنچے۔ درمختار مع شامی جلد دوم صد ۱۰۸ میں ہے

الضابط وصول ما فیہ صلاح بدنہ لجوفہ ۔ ردالمحتار میں ہے الذی ذکرہ المحققون ان معنی المفطر وصول ما فیہ صلاح البدن الی الجوف اعم من کونہ غذاءً اودواءً اور فتاوی عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر صد ۱۹۱ میں ہے۔ اکثر المشائخ علی ان العبرۃ للوصول الی الجوف والدماغ ۔

ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غذا اور دوا اسی وقت روزہ توڑے گی جب دماغ یا پیٹ تک کسی منفذ سے پہونچے بلکہ بعض حضرات نے صرف منفذ تک پہنچنے پر اکتفا فرمایا ہے اس لئے کہ ان کی تحقیق پر دماغ سے پیٹ تک براہ راست تعلق ہے۔ شامی جلد دوم صـ۱۰۳ میں بحر سے ہے التحقیق ان بین جوف الراس وجوف المعدۃ منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الراس یصل الی جوف البدن

مسامات اور رگوں کی وساطت کے بغیر پہنچنے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ عامہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر دماغ یا پیٹ کے زخم میں دوا ڈالی تو روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب کہ دوا درحقیقت دماغ اور پیٹ میں پہنچ جانے کا ظن غالب ہو۔ درمختار مع شامی جلد دوم صـ۱۰۲ میں ہے لو اقطر فی اذنہ دھنا او داوی جائفۃ او آمۃ فوصل الدواء حقیقۃ الی جوفہ ودماغہ لفظ حقیقۃ کا یہی فائدہ ہے کہ دوا اگر زخم کے شگاف سے دماغ یا پیٹ میں پہنچی تو روزہ ٹوٹ گیا اور رگوں یا مسامات کے ذریعہ پہنچی تو نہیں ٹوٹا ورنہ قید بیکار ہے اس لئے کہ جب کوئی دوا خصوصاً تر دوا ڈالی جائے گی تو عروق و مسامات کے ذریعہ ضرور دماغ تک پہنچے گی۔ اگر عروق و مسامات کے ذریعہ دوا کا پہنچنا روزہ کو توڑ دیتا تو یہ قید بیکار تھی۔ بناء علیہ تصریح ہے کہ اگر آنکھ میں دوا ڈالی یا سرمہ لگایا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ اگرچہ دوا کا قطرہ حلق میں محسوس ہو کر سرمہ تھوک یا رینٹھ کے ساتھ نکلے فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صـ۱۹۰ میں ہے لو اقطر شیئا من الدواء فی عینہ لا یفسد صومہ عندنا وان وجد طعمہ فی حلقہ واذا بزق فرای اثر الکحل ولونہ فی بزاقہ عامۃ المشایخ علی انہ لا یفسد صومہ کذا فی الذخیرۃ - وھو الاصح ھکذا فی التبیین اور درمختار مع شامی جلد دوم صـ۹۸ میں ہے۔ او ادھن او اکتحل وان وجد طعمہ فی حلقہ

اسی کے تحت شامی میں ہے ای طعم الکحل اوالدھن کما فی السراج وکذا لو بزق فوجد لونه فی الاصح بحر۔ قال فی النھر لان الموجود فی حلقه اثر داخل المسام الذی هو خلل البدن والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لا یفطر۔

دیکھئے صاحب نہر نے تصریح کر دی کہ حلق میں جو محسوس ہو تھوک میں جو آیا وہ چونکہ مسام کے ذریعہ آیا لہذا روزہ توڑنے والا نہیں۔ روزہ توڑنے والا وہ ہے جو منفذ سے دماغ یا پیٹ تک پہنچے۔ اسی طرح یہ جزیہ ہے کسی نے اپنے سوراخ ذکر میں تیل ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگرچہ تیل مثانہ تک پہنچ جائے اور علت یہ بیان فرمائی کہ سوراخ ذکر اور پیٹ کے درمیان منفذ نہیں ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۰۲ میں ہے لو اقطر فی احلیله لم یفطر عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف یفطر وقول محمد مضطرب فیه فکانه وقع عند ابی یوسف ان بینه وبین الجوف منفذا ولهذا یخرج منه البول ووقع عند ابی حنیفة ان المثانة بینهما حائل والبول یترشح منه۔

اور رد المحتار جلد دوم صفحہ ۱۰۱ میں ہے ای قول ابی حنیفة ومحمد معه فی الاظهر وقال ابو یوسف یفطر والاختلاف مبنی علی انه هل بین المثانة والجوف منفذ اولا وهو لیس باختلاف علی التحقیق والاظهر انه لا منفذ له وانما یجتمع البول فیها بالترشح کذا یقول الاطباء زیلعی وافاد انه لو بقی فی قصبة الذکر لا یفسد اتفاقا ولا شک فی ذلک۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کا اختلاف اس پر مبنی ہے کہ سوراخ ذکر اور پیٹ کے درمیان منفذ ہے یا نہیں۔ مسامات کے وجود سے کسی کو انکار نہیں۔ اگر مسامات کے ذریعہ پہنچنا روزہ توڑتا تو سوراخ ذکر میں تیل ڈالنا بالاتفاق روزہ توڑ دیتا۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۹۰ میں صاف تصریح

ہے۔ وما یدخل من مسام البدن من الدھن لا یفطر ھکذا فی شرح المجمع۔ ثابت ہو گیا کہ اندرون جسم کسی جگہ دوا یا غذا کا مسام کے ذریعہ پہنچنا روزہ نہیں توڑتا۔

جب یہ ذہن نشین ہو گیا کہ روزہ توڑنے والی وہ دوا اور غذا ہے جو مسامات کے علاوہ کسی منفذ سے دماغ اور پیٹ تک پہونچے۔ تو اب انجکشن کی حقیقت پر غور کیجئے۔ جو انجکشن گوشت میں لگتا ہے اس کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ وہ پورے جسم میں مسامات ہی کے ذریعہ پہنچتا ہے لہٰذا اس سے روزہ کا نہ ٹوٹنا ظاہر ہے۔ رہ گیا رگ کا انجکشن تو اس کے جسم میں پہنچنے کی کیفیت یہ ہے کہ دوا خون کے ساتھ جسم میں پھیلتی ہے۔ ماہرین تشریح جانتے ہیں کہ خون رگوں سے دل میں جاتا ہے۔ اور وہاں سے پھر واپس رگوں میں آتا ہے۔ دل سے دماغ اور پیٹ تک کوئی منفذ نہیں اس لئے رگوں کے انجکشن سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا (از افادات حضور مفتی اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان۔ بریلی شریف)

اور دارالعلوم دیوبند کے مشہور مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ "انجکشن کے متعلق جہاں تک تحقیق کی گئی ہے یہ معلوم ہوا کہ اس میں بذریعہ مسامات کے دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے اس لئے ناقص صوم نہیں۔ ناقص صوم وہ ہے جو بذریعہ کسی منفذ کے بدن کے اندر پہنچے نہ کہ بذریعہ مسامات کے قال فی دُرّ المختار او اکتحل او ادھن او احتجم وان وجد طعمه فی حلقه اثر داخل من المسام الذی ھو خلل البدن والمفطر انما ھو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لا یفطر :۔ اور داخل بدن میں دوا کا اثر پہونچ جانے سے فساد صوم لازم نہیں آتا۔ جیسے غسل کا اثر اور زہریلے جانور کے کاٹ لینے کا اثر اکثر بدن کے اندر سرایت کر جاتا ہے مگر وہ بالاتفاق مفسد روزہ نہیں۔ اسی طرح انجکشن بھی

مفسد روزہ نہیں۔ اس مسئلہ کی مفصل تحقیق احقر کے رسالہ "المقالات المفیدہ فی الآلات الجدیدہ" میں مذکور ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاوی دار العلوم دیوبند حصہ سوم و چہارم)

اور دار العلوم دیوبند کے یہی مفتی محمد شفیع صاحب ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ "ڈاکٹروں کی تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی اور فساد صوم کیلئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بدن میں پہنچنا ضروری ہے مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین واوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں۔ فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقۃً اس دعوی کی تصریح کرتی ہیں۔

اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے کیونکہ انہیں دو قسموں کے زخم سے دوا جوف دماغ یا جوف بدن کے اندر پہنچتی ہے۔ ورنہ جوف عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔

دوسرے بہت سے جزئیات فقہ مسلمات فقہاء میں سے ایسی ہیں جن میں دوا وغیرہ مطلقاً جوف بدن میں تو پہنچ گئی لیکن چونکہ جوف دماغ یا جوف بطن میں نہیں پہنچی اس لئے اس کو مفسد و مفطر صوم نہیں قرار دیا جیسے مرد کے پیشاب گاہ کے اندر تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کما صرح بہ الشامی حیث قال وافاد انہ لو بقی فی قصبۃ الذکر لا یفسد اتفاقا ولا شک فی ذلک شامی ج ۲ ص۱۰۳ ومثلہ فی الخلاصۃ ج ۱ ص۲۵۳ نقلاً عن ابی بکر البلخی۔

اور اگر دوا مثانہ تک پہنچ جائے تب بھی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک مفسد صوم نہیں۔ امام ابو یوسفؒ جو مثانہ میں پہنچ جانے کو مفسد قرار دیتے ہیں وہ بھی اس

بنا پر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے جس سے دوا معدہ میں پہنچ جاتی ہے ورنہ نفس مثانہ میں پہنچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے اسی لئے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا ہے فکانہ وقع عند ابی یوسف ان بینہ وبین الجوف منفذ اولھذا یخرج منہ البول ووقع عند ابی حنیفۃ ان المثانۃ بینھما حائل والبول یترشح منہ وھذا لیس من باب الفقہ۔ محقق ابن ہمام اس کی شرح میں فرماتے ہیں

یفید انہ لاخلاف لو اتفقوا علی تشریح ھذا العضو فان قول ابی یوسف بالافساد وانما ھو علی ابناء قیام المنفذ بین المثانۃ والجوف الی قولہ قال فی شرح الکنز وبعضھم جعل المثانۃ نفسھا جوفا عند ابی یوسف وحکی بعضھم الخلاف مادام فی قصبۃ الذکر ولیس بشیٔ انتھی۔

اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا کما صرح بہ فی الدر المختار والخلاصۃ حالانکہ کان بھی ایک جوف ہے اسی طرح اگر کوئی انگور وغیرہ کو ایک تاگا میں باندھ کر نگل جائے اور پھر معدہ میں پہنچنے سے پہلے کھینچ لے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کما قال فی الخلاصۃ وعلی ھذا لو ابتلع عنبا مربوطا بخیط ثم اخرجہ لا یفسد صومہ خلاصہ ص۲۶ ج۱ ومثلہ فی العالمگیریۃ مطبوعۃ الھند ص۲۰۲ ولفظہ ومن ابتلع لحما مربوطا علی خیط ثم انتزعہ من ساعتہ لا یفسد وان ترکہ فسد کذا فی البدائع۔

الغرض اگر مطلق جوف بدن میں کسی شی کا پہنچنا بلا خلاف مفسد ہوتا۔ تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے اور مثانہ تو بدرجۂ اولی جوف ہے۔ کان اور حلق بھی جوف ہیں ان میں پہنچنا بلا خلاف مفسد صوم ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً

جوف بدن میں مفطر چیز دل کا پہنچنا مفسد صوم نہیں بلکہ خاص جوف دماغ اور جوف بطن مراد ہیں بلکہ جوف دماغ بھی اس میں اصل نہیں وہ بھی اس وجہ سے لیا گیا ہے کہ جوف دماغ میں پہنچنے کے بعد بذریعۂ منفذ جوف معدہ میں پہنچ جاتا ہے۔ عادت اگر یہ ہے جیسا کہ صاحب بحر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔ قال فی البحر والتحقیق ان بین جوف الراس وجوف المعدۃ منفذ اصلیا فما وصل الی جوف الراس یصل الی جوف البدن من الشامی ص ۱۳۶ ج ۲

اس عبارت سے اس مقصد کی بالکل صاف تصریح ہوگئی کہ جوف سے مراد صرف جوف بطن ہے اور جوف دماغ سے چونکہ جوف بطن پہنچنا لازمی ہے اس لئے اس میں پہنچنے کو بھی تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے اسی طرح حقنہ وغیرہ کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد کہا گیا ہے فتاوی قاضی خاں میں ہے۔ اما الحقنۃ والوجور فلانہ وصل الی الجوف ما فیہ صلاح البدن وفی القطور والسعوط لانہ وصل الی الراس ما فیہ صلاح البدن۔

اس عبارت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جس جوف میں پہنچنا مفسد صوم ہے وہ جوف معدہ و جوف دماغ ہے مطلقاً جوف مراد نہیں اور خلاصۃ الفتاوی کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل نص صریح ہے وھی ھذہ وما وصل الی جوف الراس والبطن من الاذن والانف والدبر فھو مفطر بالاجماع وفیہ الفصل وھی مسائل الافطار فی الاذن والسعوط والوجور والحقنۃ وکذا من الجائفۃ والآمۃ عند ابی حنیفۃ الخ

اسی طرح عالمگیری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں۔ وفی دواء الجائفۃ والآمۃ اکثر المشائخ علی العبرۃ للوصول الی الجوف والدماغ الخ عالمگیریہ مطبوعۃ الہند ص ۲۰۲ ج ۱

اور بدائع کی عبارت ان سب سے زیادہ اس مضمون کے لئے اصرح وا وضح ہے وھی ھذہ وما وصل الی الجوف او الدماغ من المخارق الاصلیۃ کالانف والاذن والدبر بان استعطا او احتقن او اقطر فی اذنہ فوصل الی الجوف او الی الدماغ فسد صومہ۔ اما اذا وصل الی الجوف فلا شک فیہ لوجود الاکل من حیث الصورۃ وکذا اذا وصل الی الدماغ لان لہ منفذا الی الدماغ فکان بمنزلۃ زاویۃ من زوایا الجوف الی قولہ واما ما وصل الی الجوف او الی الدماغ من غیر المخارق الاصلیۃ بان داوی الجائفۃ و الآمۃ فان داویھا بدواء یابس لا یفسد لانہ لم یصل الی الجوف ولا الی الدماغ ولو علم انہ وصل یفسد فی قول ابی حنیفۃ الخ بدائع ص ۹۳/۲۲ (فتاوی دارالعلوم دیوبند جلد سوم و چہارم ص ...)

جلال الدین احمد الامجدی

کتبہ

۳۰ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

باسمہ تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال کرنا یعنی اسکی آواز پر مقتدیوں کو رکوع وسجود کرنا کیسا ہے۔ جگہ جگہ اسکے بارے میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق کے ساتھ تفصیلی جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور، اور عند الناس مشکور ہوں۔

المستفتی

محمد حنیف رضوی۔ خطیب سنّی رضوی مسجد کھاڑی کرلا۔

آگرہ روڈ۔ بمبئی ۷۰

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم:

الجواب وھو الموفق للصواب۔ بے شک یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع وسجود کرنا جائز ہے یا نہیں۔ جو لوگ کہ جواز کے قائل ہیں انکی دلیل یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز چونکہ بعینہ امام کی آواز ہے اس لیے اس کی آواز پر اقتدا کرنا جائز ہے۔ اور جو لوگ کہ ناجائز کہتے ہیں انکی دلیل یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں ہے اس لیے اسکی آواز پر رکوع وسجود کرنا جائز نہیں ہے کہ یہ خارج سے تلقن ہے جو مفسد نماز ہے یعنی اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ امام کی آواز ہے یا

نہیں۔ اگر بعینہ امام کی آواز ہے تو اس کی آواز پر اقتدا جائز ہے ورنہ نہیں۔

تو لاؤڈ اسپیکر چونکہ آلات جدیدہ میں سے ایک سائنسی چیز ہے تو اسکی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہوتی ہے یا نہیں۔ اس کے بارے میں سائنسدانوں اور اس کے انجینیروں کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اور انکی تحقیق یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز نہیں ہے ــــ جیساکہ جناب ایم۔ آر۔ اے خانصاحب بی ایس سی انجینیر طلائی تمغہ یافتہ علی گڑھ۔ سی اینڈ جی فائنل گریڈ لندن۔ ایم۔ اے۔ آئی۔ ای پاکستان۔ پی۔ اے۔ ایس اسپیشلسٹ ٹیلی کم ٹراگ جرمنی۔ ٹی۔ ای۔ ایس کلاس I پرنسپل ٹیلی کمیونی کیشن اسٹاف کالج ہری پور۔ ہزارہ (پاکستان) لکھتے ہیں:

لاؤڈ اسپیکر میں مقرر کی آواز کہنے والے اور سننے والے کے درمیان تین بڑے واسطے ہوتے ہیں (۱) مائیکروفون (۲) ایمپلی فائر (۳) لاؤڈ اسپیکر ــ مائیکروفون میں کرنٹ موجود رہتا ہے۔ مگر بہت کمزور ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ لاؤڈ اسپیکر کو آواز کے بڑھانے میں مدد دے سکے۔ اس لیئے اس کمی کو پوری کرنے کے لیے ایک آلہ جسے ایمپلی فائر کہتے ہیں استعمال کیا جاتا ہے جو مائیکروفون کے برقی کرنٹ کو لاؤڈ اسپیکر تک پہنچاتا ہے جس سے آواز حسب منشا اونچی ہوتی ہے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کے مخروط کے ارتعاش سے اس کے اطراف کی ہوا میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو ہوا میں ویسی ہی آواز کی تبدیلیوں کا انسان کے کان پر سبب بنتا ہے۔ اس طرح بولنے والے کی آواز برقی رو میں مائیکروفون کے ذریعے تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ برقی رو ایمپلی فائر کی مدد سے بڑھ جاتی ہے۔ اور ایمپلی فائر سے بڑھی ہوئی برقی رو لاؤڈ اسپیکر کو متاثر کرنے سے لاؤڈ اسپیکر میں ایسا ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو سننے والے آدمی کے کان کے احساس آواز کا سبب بنتا ہے۔

مثال

آواز جو (بولنے والے کے منھ سے) مائیکروفون میں داخل ہوتی ہے اور پھر وہ لاؤڈ اسپیکر پر دوبارہ پیدا ہوتی ہے۔ ان دونوں میں تعلق اور مطابقت برقی گھنٹی کی مثال سے سمجھی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ برقی گھنٹی کا (سسٹم یہ ہوتا ہے کہ) بٹن دروازہ پر نصب ہوتا ہے اور اصل گھنٹی مکان کے اندر کسی مناسب مقام پر ہوتی ہے مگر جب یہاں بٹن دبایا جاتا ہے تو (اسی وقت بلا وقفہ) وہاں گھنٹی بجتی ہے۔ اور جب بٹن سے ہاتھ ہٹا لیتے ہیں تو گھنٹی بجنا بند کر دیتی ہے۔ اگر آپ بٹن کو دباتے اور چھوڑتے رہیں تو گھنٹی بھی اسی وقتی مناسبت کے ساتھ بجتی اور بند ہوتی رہے گی۔

لہٰذا اب یہ سوچنا غلط ہوگا کہ (اس برقی سسٹم میں) راست بلا واسطہ ہاتھ سے گھنٹی بجائی جا رہی ہے ـــ (خلاصہ یہ ہوا کہ) ہاتھ کا عمل تو بٹن پر ختم ہو جاتا ہے لیکن جو آواز بجتی ہوئی گھنٹی میں پیدا ہوتی ہے وہ گھنٹی کے اندر اس برقی ترکیب کا نتیجہ ہوتی ہے جو برقی کرنٹ اور وائر (یعنی تاروں) کی مدد سے عمل کرتی ہے۔

اسی طرح لاؤڈ اسپیکر (کے سسٹم) میں بھی اصل آواز مائیکروفون پر ختم ہو جاتی ہے لیکن برقی تار، برقی قوت اور برقی ترکیبیں (جو مائیکروفون اور لاؤڈ اسپیکر میں ہوتی ہیں) ایک ایسی مشابہ آواز دوبارہ پیدا کرتی ہیں جو اصل آواز کی پوری نقل ہوتی ہے۔ انتہی کلامہ

سائنسداں کی مذکورہ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بٹن پر انگلی کے دباؤ کا اثر برقی تاروں کو متحرک کر کے گھنٹی بجانے کا سبب بنتا ہے۔ بالکل اسی طرح آواز کا مائیکروفون کے مشینی نظام پر اثر بھی لاؤڈ اسپیکر کے نظام کو حرکت میں لا کر اس سے آواز نکلنے کا سبب ہوتا ہے نہ کہ وہ آواز خود آگے بڑھتی ہے جیسا کہ مجوزین کا خیال ہے۔

سائنسداں کی اصل تحریر یہ ہے۔

Voice from the speaker to the loudspeaker.

In between the speaking man and the audience there are 3 main devices namely; the microphone, the amplifier

and the loudspeaker. The current orginaled in the microphone is too weak to operate a loud speaker directly. In order that good volume be obtained for the loud speaker A device which magnifies the microphone current and delivers it to the loudspeaker known as amplifier is used. The vibrations of the con set the surrounding air in vibrations and these vibrations in air cause corresponding sound variations on the man's ear. Thus the speech of the speaking man is converted through the microphone. The electric current is amplified in the amplifier and the out put of the amplifier actuates the loudspeaker whose vibrations cause sensation of sound on the listening man's ear.

AN EXAMPLE :—

The condition between voice in put at the microphone and that reproduced at the loudspeaker can be understood by the example of an electric call bell. The switch of the the bell is fixed at the door and the bell is fixed somewhere inside the house, as the switch is pressed the bell rings and when the switch is released the bell stops ringing. If you keep pressing and releasing the switch the bell will keep ringing and stopping in the same time accordingly. Now to think think that the bell is rung by the hand directly will be incorrect. The action of the hand finishes at the switch. It is the electric current wires and the electric device inside the bell which acts further to give the sound of the bell ringing. Similarly in the case of the voice from the loudspeaker the original voice finishes at the microphone and it is the electric wires, electric power and the electric device incorporated in the microphone and the loudspeaker which reproduce a sound exactly immitating the original one.

By M.R.A. Khan, B.Sc. Engrs. (Gold Medallist) Alig., C & G (Final Grade) London. A.M.I.E. Pakistan) P.A.A.S. Specialist Telecomm. Trg. Germany) T. E. S. Class 1st. Principal Telecommunications Staff College, Haripur (Hazara)

(۲) اور جناب ایل کنوٹ صاحب (ایم - پی - ٹی - اے) پی - ایم - جی کولمبو پلان اکسپرٹ ٹیلی کمونیکیشن اسٹریلیا۔ ٹیلی کمیونیکیشن ٹریننگ سنٹر ہری پور۔ ہزارہ (پاکستان) ایک سوال کے جواب میں کہ "لاؤڈ اسپیکر سے نکلی ہوئی آواز آدمی کی آواز سمجھی جا سکتی ہے یا نہیں" لکھتے ہیں

میری رائے میں لاؤڈ اسپیکر سے نکلی ہوئی آواز آدمی کی اصل آواز نہیں سمجھی جا سکتی — اصل کلام سے پیدا شدہ آواز کا ارتعاش مائیکروفون کے پردے — پر دباؤ ڈالتا ہے جو ایمپلی فائر اور لاؤڈ اسپیکر سسٹم کو اس طرح پر کنٹرول کرتا ہے جس سے اصل آواز کی قابل شناخت نقل پیدا ہو سکے — از سر نو پیدائش یعنی یہ اصطلاح جو عام طور پر اس آلے کے لیئے کہی جاتی ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ آلہ آواز پیدا کرتا ہے نہ کہ اصل کلام کو منتقل کرتا ہے۔

ماہر سائنس جناب کنوٹ صاحب کی اصل تحریر یہ ہے۔

In my view the sound from the loudspeaker can not be regarded as the man's actual voice. The actual voice impresses it's sound vibrations upon the microphone Diaphragm, which controls an amplifier-loudspeaker system in such a way as to produce a recognisable copy of the original voice. The very term "Reproduction" commonly applied to such equipment itself implies that the equipment is producing the sound not the actual voice.

By L. canute (M.P.T.A.) P.M.G. Colombo Plan Expert (Tele Comm Australia) Tele Comm Trg Centre Haripur (Hazara) Pakistan.

---

(۳) اور جناب سی - ڈبلیو - سی - رچرڈبی - ایس - سی انگلینڈ - اے - ایم - آئی - ای - ای کولمبو پلان ایکسپرٹ اڈوائزر حکومت پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اسٹاف کالج ہری پور - ہزارہ لکھتے ہیں "میری سوچی سمجھی ہوئی رائے ہے کہ یہ آواز جو لاؤڈ اسپیکر سے نکلی ہوئی ہے۔

آدمی کی اصل آواز نہیں سمجھی جا سکتی۔ اور جو آواز لاؤڈ اسپیکر سے سُنی جاتی ہے آدمی کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے اور مشابہ آواز بالکل نقلی ہے۔ برقی میکانکی نظام سے جو آواز نکلتی ہے وہ خود ہوا کے دباؤ کے اتار چڑھاؤ کا نتیجہ ہوتی ہے جس سے آواز کی سماعت کا احساس ہوتا ہے اور یہ آواز انسانی آواز سے قطعاً راست تعلق نہیں رکھتی۔ انتہائی قانونی بنیاد پر بغیر کسی پس و پیش کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو آواز لاؤڈ اسپیکر سے نکل رہی ہے وہ (مائیکروفون پر بولنے والے آدمی کی (اصل) آواز نہیں ہے۔

اس سائنسداں کی اصل تحریر یہ ہے۔

It is my considered opinion that this sound from the loudspeaker can not be regarded as being the actual sound of the man's voice. The sound that is heard from the loud-speaker is merely a replica of the man's voice and this replica is entirely artificial. The sound emanates from a mechanism known as an electric mechanical transducer and the sound itself, that is the pressure variations which cause the sensation of hearing has absolutely no direct connecion with the sound of the man's voice on a strictly legalistic basis. It can unhesitatingly be said that the sound issuing from a loudspeaker is not the sound of a man's voice.

By C.W.C. Richard B.Sc. (Eng.) A.M.I.C.E. A.M.I.E.E. Colombo Plan Expert Advisor to the Government of Pakistan.
Telecommunication Staff College. Haripur (Hazara)

---

(۴) اور جناب آر۔ ایچ ہامنس گرانڈا ٹی۔ وی نیٹ ورک لمیٹڈ گرانڈا ہاؤس، واٹر اسٹریٹ مانچسٹر ۳ گرانڈا مانچسٹر ٹیلکس ڈینس گیٹ ۲۱، لکھتے ہیں۔

یہ میری فنی رائے ہے کہ جو آواز لاؤڈ اسپیکر سے نکلتی ہے اور خطاب عام کے لیے رائج ہے اس سے نکلی ہوئی آواز آدمی کی اصل آواز نہیں سمجھی جا سکتی ۔ اور سوائے اس کے بس

میں کچھ نہیں ہے کہ یہ اصل آواز سے بہت قریبی مشابہت رکھتی ہے ۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو آدمی کی اصل آواز سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کسی تصویر کی حقیقی نقل کو اصل تصویر (یعنی منقول عنہ) سمجھ لینا۔

اس ماہر سائنسداں کی اصل تحریر یہ ہے۔

This is to record my professional opinion that the sound of a voice emerging from a loudspeaker such as in use for a public adress system can not be held to be the real voice of the person originating the sound. It is a close replica but nothing more and is no more the original voice than a copy of a painting will be held to be the original painting.

By R.H. Hammans Granada T.V. Net work Limited Granada House Water Street, Manchester Telex Deans Gaie 7211.

نوٹ :۔ سائنسدانوں کی یہ ساری تحریریں مائیکروفونی نماز میں بھی "دی اسٹوری آف دی آرٹی فیشل وائس ۔ بائی سم اکسپرینس اینڈ اکسپرٹ پاکستان اینڈ فارنیرس

The story of the artificial voico. By some experianced and expert Pakistan and Foreighners.

کے حوالے سے دیکھی جا سکتی ہے

ماہرین سائنس اور اس کے انجینیروں کے متفقہ اقوال سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں ہوتی بلکہ اسکی نقل ہوتی ہے جو آواز کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے اور آواز کے ٹکرانے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ صدا ہوتی ہے جیسے کہ پہاڑ اور گنبد وغیرہ سے ٹکرا کر پیدا ہونیوالی آواز صدا ہوتی ہے اور صدا کا وہ حکم نہیں جو متکلم کی آواز کا ہے کہ متکلم کی آواز بغیر کسی چیز سے ٹکرائے صرف ہوا کے تموج سے سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے ۔ اور صدا چونکہ کسی چیز سے ٹکرا کر پیدا ہوتی ہے اسی لیے اس سے آیت سجدہ سنے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا

جیسا کہ امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں فی الخلاصۃ ان سمعہا من الصدا لا تجب (فتح القدیر جلد اول ص۳۶۸) اور تنویر الابصار و درمختار مع شامی جلد اول ص۵۱۶ میں ہے لا تجب بسماعۃ من الصدی۔ مراقی الفلاح مع طحطاوی ص۲۶۴ میں ہے لا تجب بسماعۃ من الصدی وھو ما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوھا۔

اس تغایر حکم سے صاف ظاہر ہوا کہ صدا کا حکم جداگانہ ہے۔ اور جب سجدۂ تلاوت کے وجوب میں صدا کا اعتبار نہیں۔ تو گویا صدا نفس آواز متکلم سے الگ ہے۔ اور جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جدا ٹھہری تو نماز کے سجدہ کے لیے صدا کو شرعاً بعینہ آواز متکلم مان لینا صحیح نہیں۔ یعنی جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جدا اور خارج ہے تو اس میں بھی خارج قرار پائے گی اور جب صدا خارج قرار پائی تو حالت نماز میں اس سے تلقن جائز نہیں خواہ وہ لاؤڈ اسپیکر کی صدا ہو یا صحرا وغیرہ کی۔ اس لئے کہ خارج سے تلقن مفسد نماز ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد اول مطبوعہ دیوبند ص۴۱۸ ۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۹۳ ۔ عنایہ شرح ہدایہ مع فتح القدیر جلد اول ص۳۵۱ ۔ شرح النقایہ جلد اول ص۹۲ اور فتاوی رضویہ جلد سوم ص۴۱۲ پر مذکور ہے

ماہرین سائنس کی تحقیقات اور فقہائے معتمدین کے اقوال سے یہ امر پورے طور پر متحقق ہو گیا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع و سجود کرنے والوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ایسی نماز کا پھر سے پڑھنا فرض ہوتا ہے۔ لیکن اگر اب بھی فساد نماز کا یقین نہ ہو تو کم از کم اس کا شبہہ ضرور ہے اور فسادِ عبادت کے شبہہ کو احتیاطاً ہمیشہ یقین ہی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہونے کے باوجود ۱۳ ذی الحجہ کی قربانی کو ناجائز قرار دیا گیا اس لئے کہ اس تاریخ میں فسادِ قربانی کا شبہہ ہے۔ اور حطیم کو طواف میں احتیاطاً کعبہ شریف کا جز تسلیم کیا گیا اس لیے کہ خارج ماننے میں فسادِ طواف کا شبہہ ہے مگر اسی حطیم کو نماز کے مسئلہ میں احتیاطاً کعبہ شریف سے خارج قرار دیا گیا اس لیے کہ جز تسلیم کرنے میں فسادِ نماز کا شبہہ ہے ردالمحتار جلد دوم ص۱۶۷ میں ہے۔ اذا استقبلہ المصلی لم تصح صلاتہ لان فرضیۃ استقبال الکعبۃ ثبتت بالنص القطعی

وکون الحطیم من الکعبۃ ثبت بالآحاد فصار کانہ من الکعبۃ من وجہ دون وجہ فکان الاحتیاط فی وجوب الطواف وراءہ وفی عدم صحتہ استقبالہ۔ لہٰذا اس بنیاد پر بھی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ناجائز ہی قرار دیا جائے گا اور اسکی آواز پر رکوع و سجود کرنے سے فسادِ نماز ہی کا حکم کیا جائے گا۔

اور عام لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں چونکہ لاؤڈ اسپیکر نماز کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے جائز ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کا احترام یقیناً ضروری اور باعث ثواب ہے۔ لیکن قرآن وحدیث اور اجماع امت و فقہائے ملت کے اقوال سے استدلال کرنے کی بجائے لوگوں کے عمل سے استدلال کرنا غلط ہے۔ خصوصاً نجدیوں کے عمل کو جائز و ناجائز ہونے کا معیار بنانا تو بہت بڑے فتنے کا سبب ہو جائے گا کہ بزرگوں کی قبروں کو توڑنا اور مسجدوں کو ڈھانا بھی جائز ہو جائے گا اس لیے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے بے شمار مزارات اور مساجد کو نجدیوں نے توڑا اور ڈھایا ہے ــــ اور مسجدوں کے اندر جوتے پہن کر چلنا، داڑھیو نکا منڈانا اپنی عورتوں کو ننگا لباس پہنا کر انگریزی لیڈیوں کی طرح بنانا، گھر گھر ٹیلی ویژن پر سنیما دیکھنا، اور مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی صفوں میں مل جل کر نماز پڑھنا یہ سب جائز ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ــــ یہاں تک کہ نجدیوں نے مسجد حرام، مسجد نبوی اور میدان عرفات وغیرہ مقدس مقامات میں حج جیسی اہم عبادت کو تماشا بنانے کے لیے فلم سازی کی اجازت دی اور مناسک حج ادا کرنے اور نماز پڑھنے میں حاجیوں کی تصویریں لی گئیں۔ اور ہر سال لی جاتی ہیں ــــ تو جب یہ ساری چیزیں مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ میں ہونے کے سبب جائز نہیں ہو سکتیں تو پھر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا وہاں کے لوگوں کے عمل سے کیونکر جائز مانا جا سکتا ہے۔

اور پھر جس طرح آج کل کے بعض علما کا اپنی تصویر کھینچانا تصویر کشی کو جائز نہیں بنا سکتا اسی طرح کچھ لوگوں کے عمل سے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا بھی ہر گز جائز نہیں ہو سکتا

اور اگر یہ کہا جائے کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نمازوں کے لیے عام ہو چکا ہے لہٰذا اب اس فتوی کو لوگ نہیں مانیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکم شرع سے آگاہ کرنا ہم پر فرض تھا وہ ہم نے کر دیا۔ اب عمل کی ذمہ داری لوگوں پر ہے۔ اگر مسلمان اپنی نمازوں کو فساد سے نہیں بچائیں گے تو اس کا خمیازہ قیامت کے دن اٹھائیں گے۔

دعا ہے کہ خدائے عز وجل مسلمانوں کو حق بات کے قبول کرنیکا جذبہ عطا فرمائے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے نماز جیسی اہم عبادت کو خراب ہونے سے بچانے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین بجرمۃ النبی الکریم الامین علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات و واکمل التسلیم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف۔ ضلع بستی
۱۶ رصفر المظفر ۱۴۰۷ھ

غیر صحابہ کیلئے رضی اللہ عنہ کہنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ غیر صحابہ کیلئے استعمال کرنا کیسا ہے؟ بکر کہتا ہے کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ بڑے بڑے علما اور بزرگوں کے لئے بھی جائز ہے کہ یہ لفظ صحابۂ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے اور زید کہتا ہے کہ کوئی دینی پیشوا خواہ کتنا ہی بڑا ہو اگر صحابی نہ ہو تو اسے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جائز نہیں کہ یہ لفظ صحابۂ کرام کے ساتھ خاص ہے اسی لئے حضرت اویس قرنی کو جو عاشق رسول اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے مقبول تھے مگر اتنے بڑے بزرگ کو بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں لکھا جاتا۔ تو کسی دوسرے بزرگ کو جو صحابی نہ ہوں رضی اللہ عنہ لکھنا غلط ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں کس کا قول صحیح ہے مفصل جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی

محمد حنیف رضوی

خطیب سنی رضوی مسجد کرلا۔ آگرہ روڈ بمبئی

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

الجواب بعون الملک العزیز الوہاب۔ غیر صحابہ کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد پنجم صفحہ ۴۸۰ میں ہے۔

یستحب الترضی للصحابۃ والترحم صحابہ کیلئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا مستحب ہے اور
للتابعین ومن بعدھم من العلماء تابعین وغیرہ کیلئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مستحب ہے
والعباد وسائر الاخیار وکذا یجوز اور اس کا الٹا یعنی صحابہ کیلئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
عکسہ وھو الترحم للصحابۃ والترضی اور تابعین وغیرہ علماء و مشائخ کیلئے راجح
للتابعین ومن بعدھم علی مذہب پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جائز
الراجح ۔ اھ ملخصاً ہے ۔

اور حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد سوم صہ ۵۰۹ میں تحریر فرماتے ہیں ۔

ویذکر من سواھم ای من سوی اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ ا
الانبیاء من الائمۃ وغیرھم العلماء وغیرہ علماء و مشائخ کو غفران و رضا سے
والرضی فیقال غفر اللہ تعالیٰ لھم یاد کیا جائے ۔ تو غفر اللہ تعالیٰ لہم و رضی اللہ
ورضی عنھم ۔ اھ ملخصاً تعالیٰ عنہم کہا جائے ۔

لہٰذا بکر کا قول صحیح ہے کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ صحابۂ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے ۔ بڑے بڑے علما اور بزرگوں کے لئے بھی جائز ہے ۔ اور زید کا یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی دینی پیشوا خواہ کتنا ہی بڑا ہو اگر صحابی نہ ہو تو اسے رضی اللہ عنہ کہنا جائز نہیں ۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ حضرت اویس قرنی کو اسی لئے رضی اللہ عنہ نہیں لکھا جاتا کہ وہ صحابی نہیں تھے ۔ اس لئے کہ محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو کتب خانہ رحیمیہ دیوبند نے اخبار الاخیار شریف کے ٹائیٹل پیج پر سید المحققین اور برگزیدۂ جناب باری لکھا ہے ۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب اشعۃ اللمعات میں جلد چہارم صہ ۴۴۳ پر حضرت اویس قرنی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے ۔

اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے تابعی ہیں کہ جنکی ملاقات بہت سے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ سے ہوئی ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ایسے تابعی ہیں جن کی ملاقات صرف چند صحابہ سے ہوئی ہے ان کو خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شامی جلد اول مطبوعہ دیو بند صفحات ۳۵، ۳۶، ۳۷، اور صفحہ ۴۲ پر کل چھ جگہ رضی اللہ عنہ، لکھا ہے۔

اور انہی حضرت علامہ شامی نے اپنی اسی کتاب کی جلد مطبوعہ دیوبند صفحات ۳۵، ۳۸، ۴۱، اور صفحہ ۴۳ پر کل سات جگہ حضرت امام شافعی کو رضی اللہ عنہ، لکھا ہے اور صفحہ ۳۷ پر حضرت سہل بن عبد اللہ تُستری کو رضی اللہ عنہ، لکھا ہے حالانکہ یہ دونوں بزرگ تابعی بھی نہ تھے کہ امام شافعی کی پیدائش ۱۵۰ھ میں ہوئی اور انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا اور حضرت تستری کا انتقال ۲۸۳ھ میں ہوا۔

اور حضرت علامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور کتاب درمختار مع ردالمحتار جلد اول مطبوعہ دیوبند ص۵۵ پر حضرت امام شافعی کو رضی اللہ عنہ، لکھا اور صفحہ ۴۳ پر حضرت عبد اللہ بن مبارک کو رضی اللہ عنہ، لکھا اور یہ بھی تابعی نہ تھے کہ ان کی پیدائش ۱۱۸ھ میں ہوئی۔

اور حضرت علامہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۳۸۲ پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو رضی اللہ عنہ، لکھا ہے۔ اور امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد اول مطبوعہ بمبئی ص۳ پر حضرت امام اعظم اور حضرت امام شافعی کو رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

اور سید العلما حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور تصنیف طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص۱۱ پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو رضی اللہ عنہ، لکھا ہے۔

اور حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم جلد دوم ص۲ پر حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکھا ہے۔

اور شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری ص۱۸ پر امام بخاری کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جن کی پیدائش ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ اور انہی علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسی کتاب کے مقدمہ ص۲۱ پر حضرت امام شافعی کو بھی رضی اللہ عنہ لکھا۔

اور شارح مسلم حضرت ابوزکریا امام محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مقدمہ شرح مسلم شریف ص۱۱ پر حضرت امام مسلم کو رضی اللہ عنہ لکھا جن کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

اور محدث کبیر حضرت شیخ عبد الحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشعۃ اللمعات جلد اول ص۱۶ پر حضرت امام شافعی کو رضی اللہ عنہ لکھا ہے اور اسی کتاب اسی جلد کے ص۹ پر حضرت شیخ نے امام بخاری کو رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

اور حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کے مصنف حضرت شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کے مقدمہ ص۱۱ پر صاحب مصابیح حضرت علامہ ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی کو رضی اللہ عنہ لکھا۔ اور انہی علامہ بغوی کو تفسیر معالم التنزیل مطبوعہ مصر کے ص۲ پر بھی رضی اللہ عنہ لکھا گیا ہے جو تبع تابعی بھی نہ تھے کہ ان کا انتقال چھٹی صدی ہجری میں ہوا ہے۔

اور حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف نسیم الریاض جلد اول مطبوعہ مصر ص۵ پر حضرت علامہ قاضی عیاض کو رضی اللہ عنہ لکھا ہے اور یہ بھی تبع تابعی نہ تھے۔ چھٹی صدی ہجری کے عالم تھے کہ ان کا انتقال ۵۴۴ھ میں ہوا۔

اور سید المحققین حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشعۃ اللمعات جلد اول ص۱ پر اور اخبار الاخیار مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند کے

صفحات ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴ پر کل پندرہ مقامات پر حضرت غوث پاک شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی کو رضی اللہ عنہ لکھا ہے جن کی ولادت ۴۷۰ھ اور بقول بعض ۴۷۱ھ میں ہوئی ہے۔

اور امام المحدثین حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد اول ص۳۷ پر حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت لیث بن سعد، حضرت امام مالک بن انس، حضرت داود طائی، حضرت ابراہیم بن ادہم اور حضرت فضیل بن عیاض وغیرہم کو رضی اللہ عنہم اجمعین لکھا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی صحابی نہیں ہے۔

اور عارف باللہ حضرت شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر صاوی جلد اول ص۳ پر حضرت علامہ شیخ سلیمان جمل، علامہ شیخ احمد دردیر، علامہ شیخ امیر، علامہ شمس الدین محمد بن سالم حفناوی، امام ابوالحسن شیخ علی صعیدی عدوی، علامہ محمد بن بدیری دمیاطی، علامہ نور الدین شبراملسی، علامہ حلبی صاحب السیرۃ، علامہ علی اجہوری، علامہ برہان علقمی، علامہ شمس الدین محمد علقمی، علامہ امام زیادی، علامہ شیخ رملی، شیخ الاسلام علامہ زکریا انصاری، علامہ جلال الدین محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی۔ ان تمام علماء کو رضی اللہ عنہم لکھا ہے جن میں سے کوئی صحابی نہیں۔

اور حضرت علامہ ابوالحسن نور الملۃ والدین علی بن یوسف شطنوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف بہجۃ الاسرار میں غیر صحابہ کو بے شمار مقامات پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے اور ہدایہ میں صاحب ہدایہ کو ان کے شاگرد نے کئی مقام پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔

ان تمام شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ صحابۂ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے اگر یہ لفظ ان کے ساتھ خاص ہوتا یعنی غیر صحابہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا جائز نہ ہوتا تو اتنے بڑے بڑے محققین جو اپنے زمانے میں

علم کے آفتاب و ماہتاب تھے یہ لوگ غیر صحابہ کو رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں لکھتے۔

یہاں تک کہ عام دیوبندی وہابی جو رضی اللہ عنہ کو صحابہ کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں اور غیر صحابہ کو رضی اللہ عنہ کہنے پر لڑتے جھگڑتے ہیں ان کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کو بھی رضی اللہ عنہما لکھا گیا ہے جیسا کہ تذکرۃ الرشید جلد اول ص۲۸ پر ہے "مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا رشید احمد صاحب رضی اللہ عنہما چند روز کے بعد ایسے ہم سبق بنے کہ آخرت میں بھی ساتھ نہ چھوڑا"

قرآن کریم سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ صحابۂ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ پارہ تیس ۳۰ سورۃ البینۃ میں ہے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ۔ یعنی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈریں۔ جیسا کہ تفسیر مدارک جلد چہارم مصری ص۳۷۱ میں ہے (ذٰلك) ای الرضا لمن خشی ربہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رضا یعنی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دل میں رب کی خشیت ہو۔

اور رب کی خشیت علما ہی کا خاصہ ہے۔ جیسا کہ علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیت کریمہ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ کے تحت تحریر فرماتے ہیں هٰذہ الآیۃ اذا ضم الیها آیۃ اس آیت کریمہ کو دوسری آیت سے ملانے اخری صار المجموع دلیلا علی فضل پر علم اور علما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس لئے العلم والعلماء وذلك لانه تعالیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صرف اس کے قال اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ بندے علما ہی کو خشیت الٰہی حاصل ہوتی ہے الْعُلَمٰٓؤُا فدلت هذہ الآیۃ علی تو اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ خشیت ان العالم یکون صاحب الخشیۃ۔ الٰہی علما کا خاصہ ہے (تفسیر کبیر جلد ہشتم ص۲۴۶)

اور تفسیر روح البیان جلد دہم صہ ۴۹۱ میں اس آیت کریمہ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ کے تحت ہے۔

ذٰلك الخشية التی من خصائص العلماء خشیت الٰہی جو خدائے تعالیٰ کے امور واحوال بشئون الله تعالیٰ مناط لجمیع الکمالات جاننے والوں کا خاصہ ہے۔ اسی پر تمام العلمیة والعملیة المستتبعة للسعادة کمالات علمیہ وعملیہ کا دارومدار ہے۔ کہ الدینیة والدنیویة قال الله تعالیٰ جن سے دینی اور دنیوی سعادتیں اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ حاصل ہوتی ہیں۔ الْعُلَمٰٓؤُا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اس کے لئے ہے جسے خشیت الٰہی ہو۔ اور خشیت الٰہی خدائے تعالیٰ کے امور واحوال جاننے والوں کے لئے ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ خدائے تعالیٰ کے امور واحوال جاننے والوں کے لئے ہے یعنی جلیل القدر علماء ومشائخ کے لئے ہے نہ کہ بے عمل علماء کے لئے کہ جب وہ بے عمل ہیں تو ان کو خشیت الٰہی حاصل نہیں ہے۔ اور جب خشیت الٰہی نہیں ہے تو وہ صرف نام کے عالم ہیں حقیقت میں عالم نہیں ہیں۔

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل جلد پنجم صہ ۳۰۲ میں ہے۔

قال الشعبی انما العالم من خشی الله عز وجل۔ امام شعبی نے فرمایا کہ عالم صرف وہ شخص ہے جسے خدائے عزوجل کی خشیت حاصل ہو۔

اور تفسیر خازن کے اسی صفحہ ۳۰۲ پر ہے۔

قال الربیع بن انس من لم یخش الله فلیس بعالم۔ امام ربیع بن انس نے فرمایا کہ جسے خشیت الٰہی حاصل نہ ہو وہ عالم نہیں۔

ثابت ہوا کہ رضی اللہ عنہ صرف باعمل علماء ومشائخ کے لئے ہے۔ مگر یہ لفظ

عرف میں بڑا موقر ہے یہاں تک کہ بہت سے لوگ اسے صحابۂ کرام ہی کے لئے خاص سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اسے ہر ایک کے لئے نہ استعمال کیا جائے بلکہ اسے بڑے بڑے علماء و مشائخ ہی کے لئے استعمال کیا جائے۔ جیسے کہ ہمارے بزرگوں نے کیا ہے۔

ھٰذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل شانہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

عرب میں کافر ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت ومفتیان دین اس مسئلہ میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرب میں کوئی کافر نہ ہوگا اور نہ کافروں کی حکومت ہوگی۔ جیسا کہ مشکوۃ شریف میں حدیث ہے کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ عرب کے لوگ اسکو پوجیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آج ملک عرب خصوصاً مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں نجدی وہابی کا قبضہ ہے جسے اہل سنت وجماعت مسلمان نہیں مانتے تو اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب کیا ہے ؟ اطمینان بخش مفصل جواب تحریر فرماکر ہم اہل سنت وجماعت کو مطمئن فرمائیں خدائے تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

المستفتی

منیجر محی الدین احمد۔

التفات گنج۔ ضلع فیض آباد

باسمہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الاعلیٰ

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب ۔ نجدی وہابی وہ قوم ہے جو صرف اپنے کو مسلمان سمجھتی ہے اور جو لوگ ان کے فاسد اعتقادات کی موافقت نہیں کرتے انہیں کافر ومشرک کہتی ہے اسی لئے وہ لوگ اہلسنت وجماعت کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں اور علماء اہل سنت کے خون کو حلال ٹھہراتے

ہیں جیساکہ خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔

اتباع عبد الوھاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین و کانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستباحوا بذلک قتل اھل السنۃ وقتل علمائھم	عبدالوہاب کے ماننے والے نجد سے نکلے اور اور مکہ معظمہ و مدینہ منورہ پر زبردستی قبضہ کرلیا وہ لوگ اپنا مذہب حنبلی بتاتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی لوگ مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کی مخالفت کریں وہ کافر و مشرک ہیں اسی سبب سے وہ لوگ اہلسنت اور ان کے علما کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں (شامی جلد سوم مطبوعہ دیوبند ص ۳۰۹)

اور دیوبندی مسلک کے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب ٹانڈوی سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند الشہاب الثاقب ص ۴۲ پر لکھتے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداءً تیرھویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہلسنت و جماعت سے قتل و قتال کیا انکو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھتا رہا۔ انکے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہونچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ اور ہزاروں آدمی اسکے اور اسکی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

اور لکھتے ہیں

محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم اور تمام مسلمانان دیار مشرک وکافر ہیں اور ان سے قتل وقتال کرنا اور ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔ (الشہاب الثاقب صہ ۴۲)

اور لکھتے ہیں

شان نبوت وحضرت رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مماثل ذات سرور کائنات خیال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانہ تبلیغ کی مانتے ہیں۔ اور اپنی شقاوت قلبی اور ضعف اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کرکے راہ پر لا رہے ہیں انکا خیال ہے کہ رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق اب ہم پر نہیں اور نہ کوئی احسان اور فائدہ آپ کی ذات پاک سے بعد وفات ہے۔
(الشہاب الثاقب صہ ۴۷)

اور لکھتے ہیں

نجدی اور اس کے اتباع (ماننے والوں کا) اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانے تک تھی جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں (الشہاب الثاقب صہ ۴۵)

اور لکھتے ہیں

وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفریں اس نداء وخطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں۔
(الشہاب الثاقب صہ ۶۵)

اور لکھتے ہیں

وہابیہ نجدیہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں استعانت بغیر اللہ سے ہے اور وہ شرک ہے۔ الشہاب الثاقب ص۶۵)

اور لکھتے ہیں

وہابیہ خبیثہ کثرت صلاۃ وسلام درود بر خیر الانام علیہ السلام اور قرأت دلائل الخیرات وقصیدۂ بردہ وقصیدہ ہمزیہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے وورد بنانے کو سخت قبیح ومکروہ جانتے ہیں (الشہاب الثاقب ص۶۶)

اور لکھتے ہیں

وہابیہ امر شفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلۂ عدم کے (نہ ہونے کے برابر) پہنچا دیتے ہیں (الشہاب الثاقب ص۶۶)

اور لکھتے ہیں

وہابیہ سوائے احکام علم شرائع جملہ علوم اسرار حقانی وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلاۃ والسلام کو خالی جانتے ہیں (الشہاب الثاقب ص۶۶)

اور لکھتے ہیں

وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام قبیح وبدعت کہتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس اذکار اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں۔ (الشہاب الثاقب ص۶۷)

دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب ٹانڈوی عرف مدنی کی مذکورہ بالا تحریروں سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ وہابیہ عقائد فاسدہ و خیالات باطلہ رکھتے ہیں اور اہلسنت وجماعت کو کافر ومشرک سمجھتے ہیں اور ان سے قتل وقتال کرنا اور ان کے مالوں کو چھین لینا جائز بلکہ واجب ٹھہراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہابیوں نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں بے انتہا مظالم ڈھائے

یہاں تک کہ جنت البقیع مدینہ شریف کے قبرستان میں حضرت عثمان غنی، حضرت دائی حلیمہ اور حضور کی صاحبزادی بی بی فاطمہ، حضرت امام حسن، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات اور بہت سے جلیل القدر صحابہ وصحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات کو ہتھوڑوں اور پھاوڑوں سے توڑ کر اور کھود کر پھینک دیا اور مکہ معظمہ میں بھی جنت المعلیٰ قبرستان میں ام المومنین حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار مبارک کے گنبد کو توڑ دیا اور عالیشان مزار کو کھود کر پھینک دیا بیچ قبرستان سے صحابۂ کرام کی قبروں پر پختہ سڑک بنا دی۔ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیرو مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزار کے اوپر پکی سڑک بنا دی اور یہاں تک کہ مسجدیں جو بنص قرآن اللہ تعالیٰ کی ہیں جیسا کہ پ ۲۹ سورۂ جن میں ہے وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ ط وہابیوں نے انہیں بھی گرا دیا۔ مسجد شجرہ جہاں درخت نے حضور کے سچے نبی ہونے کی گواہی دی تھی اسے کھود کر پھینک دیا اور غار ثور وغار حراء کے مبارک پہاڑوں کی مسجدوں کو بھی ڈھا دیا اور اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گنبد خضراء کے توڑنے کا بھی پروگرام بنا رہے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

حضرت سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۳۰۴ھ تحریر فرماتے ہیں کہ: وہابیوں نے مسجدوں کو ڈھا دیا۔ بزرگوں کی یادگاروں کو مٹا دیا جنت المعلیٰ کے گنبدوں کو کھود کر پھینک دیا۔ مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مولد حضرت ابو بکر اور مولد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبوں کو بھی توڑ کر گرا دیا مسجدوں وقبروں کو ڈھاتے ہوئے وہابی ڈینگیں مارتے تھے۔ ڈھول بجا بجا کر گانا گاتے تھے اور صاحب قبر کو بہت گالیاں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے حضرت محجوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر پر پیشاب بھی کیا۔

حضرت کے اصل الفاظ یہ ہیں بادر الوھابیون ومعھم کثیر من

الناس لیہدم المساجد وما آثر الصالحین فہدموا ولاما فی المعلی من القبب فکانت کثیرۃ ثم ہدموا قبۃ مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و مولد سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مولد سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقبۃ السیدۃ خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وتتبعوا جمیع المواضع التی فیہا آثار الصالحین۔ وہم عند الہدم یرتجزون ویضربون الطبل ویغنون بالغوا فی شتم القبور التی ہدموہا وقالوا ان ہی الا اسماء سمیتموہا حتی قیل ان بعض الناس بال علی قبر السید المحجوب (خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام جلد ثانی صہ ۲۰۶)

سوال میں مشکوٰۃ شریف کی جس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ ان الشیطٰن قد ایس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب ولکن فی التحریش بینہم — اس حدیث شریف کا ترجمہ مشکوٰۃ مترجم وہابی مطبوعہ کراچی جلد اول صہ ۲۲ میں یوں ہے "شیطان اس امر سے مایوس ہو گیا ہے کہ مصلی (مومن) جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت کریں (یعنی بت پرستی میں مبتلا رہیں) اور اس کی وجہ سے وہ ان کے درمیان لڑائی جھگڑا پیدا کیا کرتا ہے۔" انتہی بالفاظہ

وہابی کے اس ترجمہ سے واضح ہو گیا کہ شیطان کی عبادت کا مطلب ہے بت پرستی میں مبتلا رہنا۔ یعنی جزیرۂ عرب کے مسلمان بت پرستی میں مبتلا رہیں۔ ایسا نہ ہو گا۔

اور محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

طیبی گفتہ مراد بمصلین مومنا نند و مراد بعبادت سلطان عبادت اصنام واگرچہ اصحاب مسیلمہ و مانعی الزکوٰۃ براہ ارتداد رفتند اما عبادت اصنام نہ کردند

علامہ طیبی نے فرمایا کہ مصلیوں سے مومنین مراد ہیں۔ اور شیطان کی عبادت سے بتوں کی پوجا مراد ہے اور اگرچہ مسیلمہ کے ساتھی اور مانعین زکوٰۃ مرتد ہوئے لیکن ان لوگوں نے بتوں کی پوجا نہیں کی۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۴۳)

اور رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

معنی الحدیث أیس من ان یعود احد من المومنین الی عبادۃ الصنم و یرتد الی شرکہ فی جزیرۃ العرب۔ ولا یرد علی ذلک ارتداد اصحاب مسیلمۃ و مانعی الزکوٰۃ وغیرھم ممن ارتد بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لانھم لم یعبدوا الصنم۔

حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ جزیرہ عرب میں کوئی مومن بت پرستی کی طرف لوٹ کر شرک نہ کرے گا اور اس پر اصحاب مسیلمہ اور مانعین زکوٰۃ وغیرہ کے مرتد ہونے کا اعتراض نہ ہوگا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوئے تھے اس لئے کہ ان مرتدوں نے بتوں کی پوجا نہیں کی تھی (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص۱۱۱)

اور اسی طرح مشکوٰۃ شریف ص۱۹ میں حدیث مذکور کے حاشیہ پر لمعات سے بھی ہے۔

ان شروح وحواشی کے حوالہ جات سے حدیث شریف کا مطلب بالکل واضح اور متعین ہوگیا کہ مخبر صادق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب عرب کے مسلمان اپنے دین سے پھر کر بت پرستی نہ کریں گے لہٰذا جزیرہ کے لوگوں کا کسی وقت مرتد ہوجانا یا اس پر کسی زمانہ میں مرتدوں کا تسلط ہوجانا حدیث شریف کے خلاف اور منافی نہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ کے فوراً بعد مسیلمہ کذاب، اس کے متبعین اور مانعین زکوٰۃ

جزیرۂ عرب ہی میں مرتد ہوئے۔

اور ۳۲۰ھ میں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں مرتد ابوطاہر قرمطی کے فتنہ کے سبب حج بند ہوگیا۔ اس نے خاص حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ پر غلبہ حاصل کیا مسجد حرام کے اندر ہزاروں حاجیوں کو شہید کر ڈالا اور مقدس پتھر حجر اسود پر اپنا گرز مار کر توڑ ڈالا پھر اس کو اکھاڑ کر اپنے دارالسلطنت ہجر میں لے گیا یہاں تک کہ بیس برس تک کعبۂ معظمہ سے حجر اسود جدا رہا پھر عباسی خلیفہ مطیع کے زمانہ میں جب قرامطہ مغلوب ہو گئے تو حجر اسود پھر "ہجر" سے لاکر کعبۂ معظمہ کی دیوار کے کونے میں بدستور سابق جوڑا گیا۔ ان ساری تفصیلات کو حضرت علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

قال محمد بن الربیع بن سلیمان — محمد بن ربیع بن سلیمان نے بیان کیا کہ میں

كنت بمكة سنة القرامطة فصعد — قرامطہ کے سال مکہ شریف میں موجود تھا

رجل لقطع الميزاب وانا اراه فعيل صبري وقلت ربي ما احملك فسقط الرجل على دماغه فمات وصعد القرمطي المنبر وهو يقول انا بالله وبالله انا اخلق الخلق وافنيهم انا۔

میں نے دیکھا ان میں کا ایک آدمی کعبۂ معظمہ کے پرنالے کو اکھاڑنے کیلئے اس کی چھت پر چڑھ گیا۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو مجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ میں نے کہا۔ اے میرے پروردگار! تو کیا ہی حلیم ہے۔ اسی وقت وہ شخص سر کے بل زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ اور ابوطاہر قرمطی مسجد حرام کے منبر پر چڑھ کر کہنے لگا کہ میں خدا کی قسم۔ خدا کی قسم میں مخلوق کو پیدا بھی کرتا ہوں اور انکو فنا بھی کرتا ہوں (حجۃ اللہ علی العٰلمین جلد دوم ص ۸۲۹)

اور پھر خلیفہ مستعصم باللہ کے دور ۶۵۴ھ میں مدینہ منورہ پر رافضیوں کا قبضہ رہا اسی زمانہ میں مسجد نبوی میں ایسی بھیانک آگ لگ گئی کہ مسجد اور اس کی زیب و زینت کا سامان جل کر راکھ ہوگیا حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آگ کے اس واقعہ کو لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

ان الاستعلاء علی المسجد والمدینۃ کان فی ذالک الزمان للشیعۃ وکان القاضی والخطیب منھم حتی ذکر ابن فرحون ان اھل السنۃ لم یکن احد منھم یتظاھرون بقراءۃ کتب اھل السنۃ۔

اس زمانہ میں مسجد نبوی اور مدینہ شریف پر رافضیوں کا قبضہ تھا قاضی شہر اور مسجد نبوی کے امام و خطیب سب روافض ہی تھے۔ یہاں تک کہ ابن فرحون کا بیان ہے کہ کوئی شخص مدینہ منورہ میں اہلسنت وجماعت کی کتابوں کو علانیہ نہیں پڑھ سکتا تھا (وفاء الوفاء جلد اول ص ۴۴۹)

ان تمام شواہد سے ظاہر ہوگیا کہ موجودہ یا آئندہ میں اگر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر مرتدوں کا تسلط ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی کہ پہلے زمانہ میں بھی اس مقدس سرزمین پر مرتدوں اور بدمذہبوں کا کئی کئی سال تک قبضہ و تسلط رہا پھر جب خدائے تعالیٰ نے چاہا تو حرم محترم کو ان کے قبضہ و تسلط سے پاک فرمایا۔

ھٰذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی

۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

اردو وغیرہ میں خطبہ پڑھنا کیسا ہے؟

بریلوی اور دیوبندی علماء کا متفقہ فیصلہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین وملت اس مسئلہ میں کہ شہر بنگلور کی اکثر مسجدیں چاہے وہ سنیوں کی ہیں یا دیوبندیوں کی۔ سب میں عیدین وجمعہ کا خطبہ عربی اور اردو میں ہوتا چلا آیا ہے۔ اب ہمارے یہاں ایک نئے امام صاحب آئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عیدین وجمعہ کا خطبہ صرف عربی میں ہونا چاہیئے۔ اس مسئلہ میں بریلوی اور دیوبندی علماء کا اتفاق ہے۔ عرض یہ ہے کہ اگرچہ عیدین وجمعہ کے خطبے ذکر وعبادات میں داخل ہیں مگر اس سے پند ونصائح کا بھی تو کام لیا جاتا ہے اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے صرف عربی میں خطبہ دیں تو پند ونصائح کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ کہ عوام تو عوام بہت سے عالم بھی عربی زبان سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس مسئلہ کا مفصل اور تحقیقی جواب تحریر فرماکر ممنون کرم فرمائیں۔

المستفتی

سید دستگیر بی، اے ۹۳ بازار اسٹریٹ

السور۔ بنگلور ۸

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا۔

الجواب اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب۔ امام صاحب صحیح کہتے ہیں۔ بے شک

عیدین وجمعہ کا خطبہ صرف عربی میں ہونا چاہیے اس کے علاوہ کسی دوسری زبان میں پڑھنا یا دوسری زبان کو عربی کے ساتھ ملا کے پڑھنا سنّت متوارثہ کے خلاف ہے مکروہ ہے اور بے شک بریلوی اور دیوبندی علما کا اس بات پر اتفاق ہے۔

اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں

زمان برکت نشان حضور پر نور سید الانس والجان علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام سے عہد صحابۂ کرام وتابعین عظام وائمۂ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور و ماثور باآنکہ صحابہ و من بعد ہم من ائمۃ الکرام کے زمانوں میں ہزار ہا بلاد عجم فتح ہوئے ہزار ہا جوامع بنیں ہزار ہا منبر نصب ہوئے عامۂ حاضرین اہل عجم میں سے ہوئے۔ اور ان حضرات میں بہت وہ تھے کہ مفتوحین کی زبان جانتے تھے اس میں ان سے کلام فرماتے تھے باینہمہ کبھی مروی نہ ہوا کہ خطبہ غیر عربی میں فرمایا یا دونوں زبانوں کا ملا ہوا۔ کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح المؤطا مطلقاً سنّت متوارثہ کا خلاف ناپسند ہے۔ فی الدر المختار ان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعہم اھ ای ثبت وتاکد کہ ایسی سنت کہ جہاں باوصف تحقق حاجت جانب خلاف رخ نہ فرمایا ہو کہ اب تو اس کا خلاف ضرور مکروہ واساءت ہوگا۔ اقول وتحقیقہ ان التذکیر بالعجمیۃ کان المقتضی لہ بعینہ موجودا والمانع مفقودا ثم لم یفعلوہ فکان ذٰلک کفا منہم لاترکا و الکف فعل والفعل یجری فیہ التوارث بخلاف الترک اذ لا معنی لتوارثہ ولا مساغ للناس فیہ لانہ غیر مفعول ولا مقدور کما نص علیہ الاکابر الصدور، قال فی الاشباہ

والنظائر التروك لا یتقرب بها الا اذا صار الترک کفا هو فعل وهو المکف به فی النهی لا الترک بمعنی العدم لانه لیس داخلاً تحت القدرۃ للعبد کما فی التحریر اھ ای تحریر الاصول للامام المحقق حیث اطلق رحمہ اللہ تعالٰی اتقن ھذا فانه من اجل المھمات۔
اذان ضرور لوگوں کو بلانے اور اطلاع دینے کے لیئے ہے مگر غیر عربی میں ہو تو اذان ہی نہ ہوگی اگرچہ مقصود اعلام حاصل ہو جائے کہ اذان صرف سنت تھی جب فی نفسہ خلاف سنت ہوئی تو راساً فوت ہوگئی تنویر میں ہے الاذان اعلام مخصوص علٰی وجہ مخصوص بالفاظ کذالک ردالمحتار میں ہے اشار الٰی انہ لا یصح بالفارسیۃ وان علم انہ اذانٌ وھو الاظھر والاصح کما فی السراج۔ خطبہ ضرور وعظ و تذکیر کیلیئے ہے۔ جیسے نماز کہ ذکر کے لئے ہے۔ قال اللہ تعالٰی۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ اور خود قرآن حکیم کہ اس کا نام ہی ذکر حکیم ہے اور اس کے نہ سمجھنے پر سخت انکار فرماتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ پھر جس کی سمجھ میں عربی نہ آئے نہ اس کے لئے نماز و قرآن اردو یا بنگلہ یا انگریزی کر دیئے جائیں گے نہ خطبہ و اذان۔ یہ اسکا اپنا قصور ہے۔ اس کا دین عربی، نبی عربی، کتاب عربی پھر عربی اتنی بھی نہ سیکھی کہ اپنا دین سمجھ سکتا۔ انگریزی کی حالت دیکھیے۔ کہ اس پر کیسے اندھے یاؤلے ہو کر گرتے ہیں کہ دو پیسے کمانے کی امید ہے اور عربی جس میں دین ہے ایمان ہے۔ اس سے کچھ غرض نہیں۔ اللہ تعالٰی توفیق و ہدایت بخشے۔ آمین (فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۴۲۵-۴۲۶)

اور حضرت صدر الشریعۃ مولانا حکیم ابو العلا محمد امجد علی صاحب قبلہ

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

غیر عربی میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ دوسری زبان خطبہ میں خلط کرنا خلاف سنت متوارثہ ہے۔ یوہیں خطبہ میں اشعار پڑھنا بھی نہ چاہیے اگرچہ عربی ہی کے ہوں۔ ہاں دو ایک شعر پند و نصائح کے اگر کبھی پڑھ لے تو حرج نہیں۔
(بہار شریعت حصہ چہارم ص ۹۸)

اور دیوبندیوں وہابیوں کے مسلم پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تحقیق الخطبہ جو مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی کے اضافہ کے ساتھ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سے شائع ہوئی ہے اس کے شروع میں خطبہ کے متعلق مبسوط ہدایہ، ردالمحتار، شرح احیاء العلوم، مجمع البحار اور تاج العروس فی شرح القاموس کی عربی عبارتوں کے بعد ص ۵ پر ہے

ان تمام اقوال مذکورہ بالا سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اصل خطبہ مطلق ذکر ہے اور خطبہ سے مقصود حقیقی اور بالذات ذکر کے سوا اور کچھ نہیں۔

پھر تین سطر کے بعد لکھتے ہیں۔

خطبہ اصل لغت و شرع میں محض ذکر کا نام ہے۔ لیکن عرف عام اور رواج متعارف کی وجہ سے گاہ بگاہ اس کا اطلاق تجوزاً محض موعظت و تذکیر پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ تحقیق الخطبہ ص ۶

اور پھر لکھتے ہیں۔

پس جب خطبہ اصل میں محض ذکر کا نام ہوا تو اسکی ضرورت نہیں رہی کہ خطیب بعض سامعین کی رعایت سے قرآن اور رسول اور اہل جنت کی زبان چھوڑ کر انگریزی اور جاپانی میں خطبہ پڑھے۔ (تحقیق الخطبہ صہ ۹)

پھر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں۔

تو اگر فقہائے کرام خطبہ کی نسبت بھی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بلکہ تمام سلف وخلف کے عمر بھر کے تعامل کو دیکھ کر یہ حکم لگا دیں کہ وہ مسلمانوں کی سرکاری ہی زبان میں ہونا چاہیئے تو کیا بعید ہے مسلمانوں کا فرض منصبی ہو کہ اگر وہ اس وعظ و پند سے متمتع ہونا چاہتے ہیں۔ تو اس سرکاری زبان (عربی) کو سیکھیں یا جاننے والوں سے دریافت کرلیں یا کم از کم خطبہ کا ترجمہ ہی یاد رکھیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فارس میں تشریف لاکر خطبہ فارسی زبان میں نہیں بلکہ عربی زبان میں پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے مؤطا کی شرح میں تحریر فرمایا ہے۔ (تحقیق الخطبہ صہ ۹)

پھر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں۔

اور یہ ہی وجہ ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما قادر علی العربیہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھے تو صحیح نہیں ہے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اگرچہ صحیح کہتے ہیں لیکن پسندیدہ ان کے نزدیک بھی یہ ہے کہ عربی میں پڑھا جائے۔ درمختار میں شروع فی الصلاۃ

ے متعلق یہی خلاف نقل کر کے لکھا ہے۔ وعلی ہٰذا الخلاف الخطبۃ وجمیع اذکار الصلاۃ (تحقیق الخطبہ صہ ۹)

اور پھر آگے لکھتے ہیں

بہر حال محققین نے اسی کو اپنے موقعہ میں مرجح سمجھا ہے کہ خطبۂ جمعہ دو رکعت ظہر کے قائم مقام ہے۔ اسی اعتبار سے اس میں عربی زبان کی رعایت اور بھی اہم ہوئی جاتی ہے۔ (تحقیق الخطبہ صہ ۱۱)

اور دار العلوم دیو بند کے مشہور مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں۔

خطبۂ جمعہ میں اردو فارسی اشعار نظم و نثر پڑھنا مکروہ و بدعت ہے جیساکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے مصفّٰی شرح مؤطا میں تحقیق فرمایا ہے کہ عربی ہونا خطبہ کا سنت مستمرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کا ہے کبھی اس کا خلاف سلف سے نہیں منقول ہوا۔ اور جو عمل مستمرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور صحابہ کا ہو وہ سنت ہے۔ اس کا خلاف بالضرور بدعت ہوگا۔ یہ بھی حضرت شاہ صاحب موصوف نے ارقام فرمایا ہے کہ صحابہ باوجودیکہ بلاد عجم فارس وغیرہ تشریف لے گئے۔ اور مسائل دینیہ و احکام شریعت ان کو ان کی زبان میں تعلیم فرمائے لیکن خطبہ میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ اور اس میں رعایتِ مخاطبین کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ خطبہ وعظ و نصیحت ہے ان کی زبانوں میں ترجمہ نہیں کیا۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ قرآن شریف بغرض وعظ و تذکیر نازل ہوا ہے۔ اور قرآن شریف سے تذکیر مقصود ہے۔ لیکن نماز میں قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنا درست نہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے

کہ خطبہ مثل شطر صلاۃ کے ہے جیسا کہ شامی میں ہے۔ قولہ بل کشطرھا فیہ الثواب ھذا تاویل لما ورد بہ الخبر من ان الخطبۃ کشطر الصلاۃ فان مقتضاہ انہا قامت مقام رکعتین من الظھر کما قامۃ الجمعۃ مقام رکعتین منہ الخ شامی باب الجمعہ ۔ و فی بیان الصلاۃ ۔ ذکرہ الدعلو بالعجمیۃ لان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نھی عن رطانت الاعاجم والرطانت کما فی القاموس الکلام بالعجمیۃ۔

الغرض روایات فقہیہ سے اور عمل صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ کہ خطبہ میں اردو فارسی نظم و نثر مکروہ اور بدعت ہے۔ اور درمیان خطبہ کے وعظ کہنا بھی ایسا ہی ہے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد اول و دوم صہ ۲۹۴)

اور دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں۔

جمعہ کے خطبہ کے ساتھ اردو میں ترجمہ خواہ نثر سے ہو یا نظم سے بدعت ہے اور ناجائز ہے۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں باوجود ضرورت اور قدرت اس کی کوئی نظیر نہیں۔ مفصل تحقیق اس مسئلہ کی احقر کے ایک رسالہ مستقل (الاعجوبۃ فی عربیۃ خطبۃ العروبۃ) میں ہے۔ اگر تفصیل منظور ہو تو اسکو ملاحظہ فرمائیں

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد اول و دوم صہ ۲۱۲)

ان تمام حوالہ جات سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ عیدین و جمعہ کا خطبہ صرف عربی میں ہونا چاہیئے۔ اس پر بریلوی اور دیوبندی علماء کا اتفاق ہے لہٰذا اگر جمعہ کے دن لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا چاہیں تو خطبہ کی اذان سے پہلے مقامی زبان میں کریں۔ پھر اذان کے بعد خالص عربی زبان میں خطبہ پڑھیں۔ اس

طرح پند و نصائح کا کام بھی ہوجائے گا اور حضور سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابۂ کرام کی سنّت پر بھی عمل ہوجائے گا۔ اور عیدین میں دوسرے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد یا نماز سے پہلے مقامی زبان میں وعظ وتذکیر کا کام کریں۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ وعلمہٗ اتم واحکم۔

جلال الدین احمد الامجدی
کتبہ

۱۴ / صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں سالہا سال سے نماز جنازہ مسجد کے صحن میں ہوتی تھی جیسا کہ آج بھی احمد آباد وغیرہ کے ائمۂ مساجد مسجدوں ہی میں نماز جنازہ پڑھاتے ہیں۔ مگر ایک صاحب نے کہا کہ مسجد میں نمازِ جنازہ جائز نہیں۔ تو ہمارے یہاں کے امام لوگ مسجد کے باہر ہی نماز جنازہ پڑھانے لگے لیکن مسجد کے باہر نماز جنازہ پڑھانے کی صورت میں درمیان صف سے کتا وغیرہ ناپاک جانور کے گزرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سخت سردی یا تیز دھوپ اور بارش میں جنازہ پڑھنے والوں کو اور میت کو تکلیف ہوتی ہے تو ان وجوہات کی بناء پر مسجد میں نماز جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

المستفتی

عبدالعزیز، حاجی عبدالکریم

پانچ بھیا۔ ہمت نگر۔ گجرات

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ بے شک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ناجائز اور گناہ ہے۔ ائمہ مساجد کے پڑھانے سے

نماز جنازہ مسجد میں پڑھانا جائز نہ ہوجائے گا۔ بلکہ ناجائز ہی رہیگا یہاں تک کہ پڑھنے والوں کو اس صورت میں ثواب بھی نہیں ملتا۔ حدیث شریف اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے یہی ثابت ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ حضرت شیخ برہان الدین ابوالحسن علی مرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

لایصلی علی میت فی مسجد جماعۃ لقولہ علیہ السلام من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجر لہ۔

جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے اسکے لئے کوئی ثواب نہیں۔

ہدایہ جلد اول صہ ۱۶۱

اور علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

ولا فی مسجد لحدیث ابوداؤد مرفوعا من صلی علی میت فی المسجد فلا اجر لہ وفی روایۃ فلا شی لہ

اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ ابوداؤد کی حدیث مرفوع ہے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اسکے لئے کوئی ثواب نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ اسکے لئے کچھ نہیں (بحر الرائق جلد دوم صہ ۱۸۶)

اور محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں

لایصلی علی جنازۃ فی المسجد وکذالک بلغنا عن ابی ہریرۃ وموضع الجنازۃ بالمدینۃ خارج من المسجد وھو الموضع الذی

مسجد میں جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے ایسی ہی ہمیں ابوہریرہ سے خبر پہنچی اور جنازہ کی جگہ مدینہ منورہ میں مسجد سے باہر تھی جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلّی علی الجنازۃ فیہ۔	جنازہ پر نماز پڑھتے تھے۔ (موطا امام محمد مطبوعہ خورشید بکڈپو لکھنؤ صد ۱۶۵)

اور فقیہ النفس حضرت قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

صلاۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروھۃ سواء کان المیت والقوم فی المسجد اوکان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد اوکان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد اوالمیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد ھوالمختار کذا فی الخلاصۃ۔	وہ مسجد کہ جس میں نماز با جماعت قائم کی جاتی ہو اس میں نماز جنازہ مکروہ ہے چاہے میت اور نماز پڑھنے والے مسجد میں ہوں یا میت خارج مسجد ہو اور نمازی مسجد میں ہوں۔ یا امام بعض مقتدیوں کے ساتھ خارج مسجد ہو اور باقی مقتدی مسجد میں۔ یا میت مسجد میں اور امام ومقتدی خارج مسجد یہی مختار ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ (فتاوی قاضی خاں مع ہندیہ جلد اول صد ۱۶۵)

اور حضرت علامہ ابن بزاز کردری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

فی الصغریٰ یکرہ صلاۃ الجنازۃ فی مسجد الجماعۃ بکل حال۔	فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ ہر صورت میں مکروہ ہے (فتاویٰ بزازیہ جلد اول مع ہندیہ صد ۸۹)

اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صد ۱۵۵ میں ہے۔

صلاۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروھۃ۔	جس مسجد میں جماعت قائم کی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔

اور حضرت امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

لایصلی علی میت فی مسجد جماعۃ فی	جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

الخلاصة مکروہ سواء کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون فی المسجد والمیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد هذا فی الفتاوی الصغری قال هو المختار۔

خلاصہ میں ہے کہ مکروہ ہے خواہ میت اور نماز پڑھنے والے مسجد میں ہوں یا میت خارج مسجد ہو اور نماز پڑھنے والے مسجد میں ہوں یا امام کچھ مقتدیوں کے ساتھ خارج مسجد ہو اور باقی مقتدی مسجد میں ہوں یا میت مسجد میں اور امام و مقتدی خارج مسجد۔ یہ فتاوی صغری میں ہے۔ فرمایا یہی مختار ہے۔
(فتح القدیر جلد دوم صفحہ ۹۰)

اور صاحب شرح وقایہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں

کرہت فی مسجد جماعۃ ان کان المیت فیہ وان کان خارجہ اختلف المشایخ

اگر میت پنج وقتہ نماز کی مسجد میں ہو تو نماز جنازہ مکروہ ہے اور میت خارج مسجد ہو تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے (شرح وقایہ جلد اول مجیدی صفحہ ۲۰۸)

اور علامہ عبد الحی صاحب فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں۔

کرہت قیل تحریما والیہ مال اکثر المتاخرین۔ [illegible]

بعض لوگوں نے کہا کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے اور اسی طرف اکثر متاخرین مائل ہیں
(عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۲۰۰)

اور سید العلماء حضرت سید طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

تکرہ الصلاۃ علیہ فی مسجد الجماعۃ۔

جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۲۶)

اور صاحب عنایہ حضرت امام اکمل الدین بابرتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر

فرماتے ہیں۔

لا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ اذا کانت الجنازۃ فی المسجد فالصلوٰۃ علیہا مکروھۃ باتفاق اصحابنا۔	جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جبکہ جنازہ مسجد میں ہو تو نماز مکروہ ہے یہ ہمارے اصحاب کا متفقہ فیصلہ ہے۔ (عنایہ مع فتح القدیر جلد دوم صفحہ ۹۰)

اور صاحب درمختار حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

کرھت تحریما وقیل تنزیھا فی مسجد جماعۃ۔	جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض لوگوں نے تنزیہی کہا ہے۔ (درمختار مع شامی جلد اول صفحہ ۵۹۳)

اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

کما تکرہ الصلوٰۃ علیہا فی المسجد یکرہ ادخالُھا فیہ۔	جیسے کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے جنازہ کا مسجد میں داخل کرنا بھی مکروہ ہے (ردالمحتار جلد اول صفحہ ۵۹۳)

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

ظاہر الروایۃ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ (حضرت امام اعظم، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک مسجد میں جنازہ مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ میت بیرون مسجد ہو۔ یہی ارجح واصح ومختار وماخوذ ہے (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۴۲)

اور پھر تحریر فرماتے ہیں

جنازہ مسجد میں رکھ کر اس پر نماز مذہب حنفی میں مکروہ تحریمی ہے (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۵۵)

اور پھر تحریر فرماتے ہیں

> صحن مسجد یقیناً مسجد ہے فقہائے کرام اسے مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی مسجد کہتے ہیں اور مسقف درجہ کو مسجد شتوی یعنی جاڑوں کی مسجد کہتے ہیں۔ اور نماز جنازہ مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے کما فی التنویر والدر وغیرہما۔ ہاں حد مسجد سے باہر فنائے مسجد میں جائز ہے (فتاوی رضویہ جلد چہارم صـ۸۲)

اور مصنف بہار شریعت حضرت صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ تعالی علیہ تحریر فرماتے ہیں

> مسجد میں نماز جنازہ مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔ خواہ میت مسجد کے اندر ہو یا باہر سب نمازی مسجد میں ہوں یا بعض کہ احادیث میں نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کی ممانعت آئی ہے (بہار شریعت حصہ چہارم صـ۱۵۱)

ان تمام کتب معتبرہ کے حوالہ سے خوب اچھی طرح واضح ہوگیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ممنوع و مکروہ ہے یعنی مکروہ تحریمی جیسا کہ درمختار۔ عمدۃ الرعایہ۔ فتاوی رضویہ اور بہار شریعت میں تصریح فرمائی۔ اور مکروہ تحریمی کا گناہ مثل حرام کے ہے درمختار مع شامی جلد پنجم صـ۲۱۴ میں ہے۔

کل مکروہ ای کراھۃ تحریم حرام ای کالحرام فی العقوبۃ بالنار۔	ہر مکروہ تحریمی استحقاق جہنم کا سبب ہونے میں حرام کے مثل ہے۔

لہٰذا بغیر عذر شرعی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ہرگز جائز نہیں۔ اور سخت سردی و تیز دھوپ کے سبب بھی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائیگا کہ جس طرح سردی اور دھوپ میں لوگ اپنے کاموں کے لئے نکلتے ہیں جنازہ کے لئے بھی تھوڑی دیر سردی اور دھوپ برداشت کرسکتے ہیں اعلیٰ

اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔

نماز جنازہ بہت ہلکی اور جلد ہو جانے والی چیز ہے۔ اتنی دیر دھوپ کی تکلیف ایسی نہیں کہ اس کے لئے مکروہ تحریمی گوارہ کیا جائے۔ اور مسجد کی بے حرمتی روا رکھیں۔
فتاوی رضویہ جلد چہارم ص۵۵

رہی تیز بارش تو جس طرح بارش میں جنازہ گھر سے لے کر مسجد اور مسجد سے قبرستان تک جائیں گے اسی طرح بارش میں مسجد کے باہر نماز جنازہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور اگر بارش میں جنازہ لے کر نکلنا اور دفن کرنا تو ممکن ہو مگر نماز جنازہ پڑھنا کسی طرح ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ضرور مسجد میں جنازہ کی اجازت دیدی جائے گی۔ بشرطیکہ شہر میں کہیں مدرسہ، مسافر خانہ، اور جماعت خانہ وغیرہ میں پڑھنا ممکن نہ ہو۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے عذر عموماً دھوپ، سردی، اور بارش ہی کو لوگ بیان کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے عذر کے بغیر بھی لوگ مسجدوں میں نماز جنازہ بلا کھٹک پڑھتے ہیں۔ اور پھر جب کہ مسجد کے صحن میں پڑھتے ہیں۔ تو سردی، دھوپ اور بارش سے وہاں بھی تو بچاؤ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ صحن کھلے ہوئے حصہ ہی کو کہتے ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ سب ایک بہانہ ہے وجہ صرف آرام طلبی اور سہل پسندی ہے جس کے مقابلہ میں ان کے نزدیک حکم شرع کوئی وقعت نہیں رکھتا العیاذ باللہ اور کتا وغیرہ کے گھسنے کا عذر بھی عند الشرع مسموع نہیں۔ اس لئے کہ نماز جنازہ عیدگاہ کے احاطہ اور مدرسہ میں بھی پڑھی جا سکتی ہے جیسا کہ سید العلماء حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ لا تکرہ فی مسجد اعد لها وکذا فی مدرسۃ ومصلی عید (طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۳۲۶)

اور اگر عیدگاہ و مدرسہ نہ ہو تو میدان میں جانوروں سے حفاظت کیلئے آدمی کھڑے کئے جا سکتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ صرف جنازہ کے لئے الگ سے مسجد بنالیں پھر اس میں دھوپ سردی اور بارش وغیرہ ہر حال میں نماز جنازہ پڑھیں۔ اس طرح میت اور جنازہ پڑھنے والوں کو تکلیف نہ ہوگی اور ناپاک جانوروں کے صفوں میں گھسنے کا اندیشہ بھی نہ رہے گا۔

وہ مسلمان جو غیر ضروری صرف جائز اور مباح کاموں کے لئے ہزاروں اور لاکھوں روپے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اگر مسجد کی حرمت باقی رکھنے اور ناجائز کام سے بچنے کیلئے نماز جنازہ کی مسجد نہ بنائیں گے اور بارش وغیرہ کا بہانہ بنا کر عام مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھتے رہیں گے۔ تو ضرور سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے کہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب اگرچہ گناہ صغیرہ ہے مگر گناہ صغیرہ بار بار کرنے سے کبیرہ کے حکم میں ہو جاتا ہے جیسا کہ [illegible] ص ۳۷ میں ہے ان الصغیرۃ تاخذ حکم الکبیرۃ بالاصرار۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ رجمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسلمان کی قبر کیسی ہونی چاہیئے؟

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں میت کی تدفین کے لئے جو قبر بنائی جاتی ہے اس میں نہ تو لحد یعنی بغلی بنائی جاتی ہے اور نہ صندوقی بلکہ صرف ایک چارکونے کا لمبا گڈھا کھود کر اس میں میت لٹا کر اور زمین سے برابر اوپر کی سطح پر محض چار انگل کی گھٹی بنا کر تختہ لگاتے ہیں پھر اسی تختہ پر مٹی ڈالتے ہیں اور قبر بنا دیتے ہیں اور قبر کھوکھلی رہتی ہے۔ اور چند ہی روز کے اندر تختہ سڑ جاتا ہے یا دیمک کھا جاتی ہے اور اس پر کی مٹی قبر کے اندر میت کے اوپر گر جاتی ہے اور کبھی کھل بھی جاتی ہے اور آسانی سے درندہ جانوروں کی دسترس بھی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ طریقۂ تدفین کہاں تک درست اور شرع کے مطابق ہے اطلاع بخشیں اور جواب کی تمام صورتوں کو حوالوں سے مزین فرمائیں۔ کرم ہوگا۔

المستفتی

محمد فاروق القادری

متعلّم دارالعلوم غوثیہ نظامیہ۔ جمشید پور (بہار)

باسمہ تعالیٰ والصلاۃ والسلام علی رسولہ الاعلیٰ

الجواب وہوالموفق للصواب۔ قبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک لحد یعنی قبر کھود کر

اس میں قبلہ کی طرف میّت کے رکھنے کے لئے جگہ کھودیں اور یہ سنّت ہے جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے حدیث شریف مروی ہے۔

لحد لرسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم۔
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لئے لحد بنائی گئی۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۸)

اور حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے۔

ان سعد بن ابی وقاص قال فی مرضہ الذی ھلک فیہ اَلحدوا لی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا کما صنع برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم۔
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنی اس بیماری میں کہ جس میں انہوں نے وفات پائی یہ فرمایا کہ میرے دفن کیلئے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کیلئے کیا گیا۔ (مسلم، مشکوٰۃ ص۱۴۸)

اور امام فقیہ النفس حضرت قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

السنۃ فی القبر عندنا اللحد
ہمارے علماء حنفیہ کے نزدیک لحد بنانا سنّت ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں مع عالمگیری جلد اوّل ص۱۴۸)

اور امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

السنۃ عندنا اللحد
ہمارے نزدیک لحد بنانا سنّت ہے۔ (فتح القدیر جلد دوم ص۹۷)

اور حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

یلحد لانہ السنۃ
قبر کو لحد بنایا جائے اس لئے کہ وہ سنّت ہے۔ (ردّالمحتار جلد اوّل ص۵۹۹)

اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

یلحد القبر ای یحفر حفرۃ فی جانبہ وھو السنۃ فی الدفن اذا کانت الارض صلبۃ و یکون فی الجانب یلی القبلۃ۔

قبر کو لحد بنایا جائے اس طرح کہ اس میں قبلہ کی طرف گڈھا کھودا جائے اور جب زمین سخت ہو تو یہی سنت ہے۔ (شرح النقایہ جلد اول صفحہ ۱۳۶)

اور قبر کی دوسری صورت شق یعنی صندوق ہے جو عام طور پر ہندوستان میں رائج ہے اور یہ سنت نہیں ہے۔ اسی لئے فقہائے کرام نے سخت زمین میں صندوق بنانے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

ولا یشق حفیرۃ فی وسط القبر یوضع فیھا المیت الا فی ارض رخوۃ فلا بأس بہ فیھا۔

میت کو دفن کرنے کے لئے درمیان قبر کھود کر صندوق نہ بنائیں مگر نرم زمین میں حرج نہیں (مراقی الفلاح مع طحطاوی صفحہ ۳۳۳)

اور حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

لا یشق الا فی ارض رخوۃ

صندوق نہ بنائی جائے مگر نرم زمین میں۔ (در مختار مع شامی جلد اول صفحہ ۵۹۹)

اور حضرت علامہ اکمل الدین بابرتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

یلحد للمیت ولا یشق لہ خلافاً للشافعی فانہ یقول بالعکس لتوارث اھل المدینۃ الشق دون اللحد ولنا قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللحد لنا

میت کے لئے لحد بنائی جائے اور صندوق نہ بنائی جائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں صندوق بنائی جائے۔ لحد نہ بنائی جائے اس لئے کہ مدینہ شریف والوں نے ہمیشہ صندوق بنایا ہے۔ اور

والشق لغیرنا وانما فعل اهل المدینة الشق لضعف اراضیهم بالبقیع۔ ⁂ ⁂ ⁂

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لحد ہمارے لئے ہے۔ صندوق دوسروں کے لئے۔ اور مدینہ طیبہ والے صندوق اس لئے بناتے ہیں کہ ان کے قبرستان جنت البقیع کی زمین کمزور ہے۔
(عنایہ مع فتح القدیر جلد دوم صـ۹۸)

اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

لا یشق ولا باس به فی الارض الرخوة۔

صندوق نہ بنائی جائے اور نرم زمین میں ہو تو حرج نہیں (شرح النقایہ صـ۱۳۸)

اور امام جلال الدین خوارزمی کرلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

یلحد لان الشق فعل الیهود والتشبه بهم مکروه فیما منه بد۔

لحد بنائی جائے اس لئے کہ صندوق بنانا یہودیوں کا کام ہے اور جب لحد بنانا ممکن ہو تو ان کی مشابہت مکروہ ہے۔
(کفایہ مع فتح القدیر جلد دوم صـ۹۸)

اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صـ۱۵۵ میں ہے۔

السنة هو اللحد دون الشق کذا فی محیط السرخسی فان کانت الارض رخوة فلا باس بالشق کذا فی فتاوی قاضی خان۔

سنت لحد ہے نہ صندوق جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور اگر زمین نرم ہو تو صندوق بنانے میں حرج نہیں ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

اور مصنف بہار شریعت حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

لحد سنت ہے اگر زمین اس قابل ہو تو یہی کریں اور نرم زمین ہو تو صندوق میں حرج نہیں (بہار شریعت حصہ چہارم صہ ۱۶۰)۔

لہٰذا عام طور پر جو ہندوستان میں رائج ہے کہ سخت زمین میں بھی لحد نہیں بناتے بلکہ صندوق ہی بناتے ہیں یہ غلط اور خلاف سنت ہے ہاں اگر زمین نرم ہو اور لحد بنا ناممکن نہ ہو تو اس صورت میں صندوق ہی مستحسن ہے جیسا کہ خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

لو لم یمکن حفر اللحد تعین الشق — لحد بنا ناممکن نہ ہو تو صندوق ہی بنائی جائے۔ (ردالمحتار جلد اول صہ ۵۹۹)

اور علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

واستحسنوا الشق فیما اذا کانت الارض رخوۃ۔ — جب زمین نرم ہو تو فقہائے کرام نے صندوق کو مستحسن فرمایا ہے۔

(بحر الرائق جلد دوم صہ ۱۹۳)

اور قبر کو گہری کرنے کا حکم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ اُحد کے روز جماعت صحابہ سے فرمایا اعمقوا۔ یعنی قبروں کو گہری کرو (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ صہ ۱۴۰)

پھر قبر کتنی گہری ہو اس کے بارے میں ائمۂ کرام نے اختلاف

فرمایا ہے جیسا کہ حضرت علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

اختلفوا فی عمق القبر فقیل قدر نصف القامۃ وقیل الی الصدر وان زادو فحسن

ائمہ کرام نے قبر کی گہرائی کے بارے میں اختلاف کیا ہے تو بعض نے فرمایا آدھے قد کے برابر ہو اور بعض نے کہا کہ سینہ تک گہری ہو اور اگر اس سے بھی زیادہ ہو تو بہتر ہے (بحر الرائق جلد دوم صہ ۱۹۳)

اور فتاویٰ عالم گیری جلد اول مصری ص ۱۵۵ میں ہے۔

ینبغی ان یکون مقدار عمق القبر الی صدر رجل وسط القامۃ وکل زاد فھو افضل

اوسط قد آدمی کے سینہ تک قبر گہری ہونی چاہیئے اور جو اس سے بھی زیادہ ہو تو افضل ہے۔

اور حضرت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

حفر قبرہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن۔

مردے کی قبر آدھے قد کی مقدار گہری ہو اور اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے۔ (در مختار مع شامی جلد اول صہ ۵۹۹)

اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

گہرائی کم سے کم نصف قد کی اور بہتر یہ ہے کہ گہرائی بھی قد برابر ہو اور متوسط درجہ یہ کہ سینہ تک ہو (بہار شریعت حصہ چہارم صہ ۱۶۱)

اور قبر کے گہری کرنے کا حکم اس لئے ہے۔ تاکہ رائحہ سے بچیت اور درندے جانور بجو وغیرہ کی دسترس سے میت محفوظ ہو جیسا کہ حضرت

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

یحفر القبر نصف قامة او الی الصدر وان یزد کان حسنا لانه ابلغ فی الحفظ۔

قبر کو آدھے قد کی مقدار کھودی جائے یا سینہ تک اور اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے اس لئے کہ اس میں زیادہ حفاظت ہے

(مراقی الفلاح مع طحطاوی صـ ۳۳۳)

اور شیخ الاسلام حضرت حدادیمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

ینبغی ان یکون مقدار عمقه الی صدر رجل وسط القامة وکل ما زاد فهو افضل لان فیه صیانة المیت عن الضباع۔

مناسب یہ ہے کہ قبر درمیانہ قد آدمی کے سینہ تک گہری ہو اور جتنی زیادہ ہو۔ وہ افضل ہے اس لئے کہ اس میں گوشت خور جانور بجو سے میّت کو بچانا ہے۔

(جوہرہ نیرہ جلد اوّل صـ ۱۱۰)

اور خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

قوله مقدار نصف قامة الخ او الی حد الصدر وان زاد الی مقدار قامة فهو احسن کما فی الذخیرة فعلم ان الادنی نصف القامة والاعلی القامة وما بینهما شرح المنیة وهذا حد العمق والمقصود منه المبالغة فی منع الرائحة

قبر کی گہرائی نصف قد کی مقدار ہو یا سینہ تک اور اگر پورے قد کے برابر گہری ہو تو بہتر ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے تو معلوم ہوا کہ ادنیٰ مقدار نصف قد ہے اور بہتر پورا قد اور ان دونوں کے درمیان سینہ تک متوسط درجہ ہے اور یہ گہرائی کی مقدار ہے اور اس کا مقصد رائحہ سے بچنا اور درندوں کے کھودنے میں

ونبش السباع۔ زیادہ رکاوٹ پیدا کرنا ہے (ردالمحتار جلد اوّل صہ۵۹۹)

اور رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

یحفر القبر نصف القامۃ او الی الصدر وان زید کان حسنا لانہ ابلغ فی منع الرائحۃ ودفع السباع۔ قبر آدھے قد کے برابر کھودی جائے یا سینہ تک اور اگر زیادہ ہو۔ تو مستحسن ہے اس لئے کہ رائحہ سے بچنے اور درندوں سے محفوظ رکھنے میں یہ مقدار زیادہ بہتر ہے (شرح النقایہ جلد اول صہ۱۱)

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

اعماق در قبر سنت ست زیرا کہ در وے صیانت میت ست از ضباع۔ قبر کو گہری کرنا سنت ہے۔ اس لئے کہ اس میں میت گوشت خور جانور بجو سے بچ تا ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول صہ۶۹۱)

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں

شریعت مطہرہ نے قبر کا گہرا ہونا اسی واسطے رکھا ہے کہ احیاء کی صحت کو ضرر نہ پہنچے (فتاوی رضویہ جلد چہارم صہ۱۰۲)

اور حکم یہ ہے کہ پوری قبر کھودنے کے بعد لحد یا صندوق بنائی جائے جیسا کہ امام اکمل الدین بابرتی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنایہ مع فتح القدیر جلد دوم ج ۲ صہ۹۸ میں اور علامہ ابن نجیم بحر الرائق میں صہ۱۹۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

صفة اللحد ان يحفر القبر — لحد کی صورت یہ ہے کہ پوری قبر کھودی
بقامته ثم يحفر في جانب القبلة — جائے پھر اسکے قبلہ کی طرف ایک گڑھا کھود
منه حفيرة فيوضع فيها الميت — کر اس میں میت رکھی جائے اور اس کو چھت
ويجعل ذلك كالبيت المسقف — والی کوٹھری کے مثل بنا دیا جائے۔ اور
وصفة الشق ان يحفر حفيرة — صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں
في وسط القبر يوضع فيها الميت — ایک گڑھا کھود کر اس میں میت رکھی جائے۔

اور علامہ جلال الدین خوارزمی کفایہ مع فتح القدیر میں جلد دوم صـ٩٥ میں اور ملک العلماء حضرت ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدائع الصنائع جلد اول صـ٣١٨ میں۔ اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رد المحتار جلد اول صـ٥٩٩ میں تحریر فرماتے ہیں۔

صفة اللحد ان يحفر القبر — لحد کی شکل یہ ہے کہ قبر کھودی جائے پھر اس
ثم يحفر في جانب القبلة منه — کے قبلہ کی سمت میں ایک گڈھا کھودا جائے
حفيرة فيوضع فيه الميت وصفة الشق — تو اس میں میت رکھی جائے۔ اور صندوق
ان يحفر حفيرة في وسط القبر فيوضع — کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں ایک گڈھا
فيه الميت وهو اللفظ للبدائع۔ — کھودا جائے پھر اس میں میت رکھی جائے

اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح النقایہ جلد اول صـ١٣٨ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وهو ان يحفر حفرة في وسط — صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں
القبر فيوضع فيها الميت۔ — ایک گڈھا کھود کر اس میں میت رکھی جائے

اور فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صـ١٥٥ میں ہے۔

صفة اللحد ان يحفر القبر — لحد کی صورت یہ ہے کہ پہلے پوری قبر

بتمامہ ثم یحفر فی جانب القبلۃ منہ حفیرۃ فیوضع فیہ المیت کذا فی المحیط - وصفۃ الشق ان تحفر حفیرۃ کالنہر وسط القبر کذا فی معراج الدرایۃ -

کھودی جائے پھر اس کے قبلہ کی طرف گڈھا کھود کر اس میں میت رکھی جائے ایسا ہی محیط میں ہے۔ اور صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں نہر کی طرح ایک گڈھا کھودا جائے۔ جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے

ائمۂ کرام اور فقہائے عظام کی ان تصریحات سے ظاہر یہ ہے۔ کہ پورے قد کی مقدار یا سینہ کے برابر یا کم سے کم آدھے قد کی مقدار پہلے قبر کھودلے پھر اس کے بیچ میں نہر کے مثل کھود کر نرم زمین میں صندوق بنائے اور سخت زمین میں قبلہ کی طرف کھود کر لحد بنائے اور اس میں مردہ کو رکھے لہٰذا تدفین کا وہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے کہ زمین سے برابر اوپر کی سطح پر محض چار انگل کی گھیٔ بنا کر تختہ لگاتے ہیں یہ [illegible] کرام کی تصریحات کے خلاف ہے کہ اس میں رائحہ سے کامل بچت ہے نہ درندوں سے پوری حفاظت۔ اور نہ وہ صورت صندوقی قبر کی ہے اور نہ لحد کی۔ اس لئے وہ طریقۂ تدفین غلط اور خلاف سنت ہے۔ اور جو لوگ صرف ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ کھودنے کے بعد صندوق یا لحد بناتے ہیں وہ بھی غلط ہے۔ لذا ماظہرلی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
یکم ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

قبر وغیرہ کو سجدہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے پیر کو سجدہ کرتا تھا پھر جب پیر کا انتقال ہوگیا تو قبر کو سجدہ کرتا ہے بکر کہتا ہے کہ پیر کو یا کسی قبر کو سجدہ کرنا حرام وناجائز ہے اور زید کہتا ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی ہے اور سجدۂ تعظیمی کا جائز ہونا قرآن وحدیث اور فقہائے کرام کے اقوال سے ثابت ہے تو اس میں کس کا قول حق ودرست ہے؟ جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی
منیجر محی الدین احمد۔ محلہ باغیچہ
التفات گنج۔ ضلع فیض آباد۔

للّٰہ الحمد یا اللّٰہ۔ والصلاۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ
الجواب بعون اللّٰہ الملک الوھاب۔ بکر کا قول صحیح ودرست ہے بے شک سجدۂ تعظیمی سخت ناجائز وحرام ہے زید کا قول باطل ومردود ہے قرآن وحدیث اور فقہائے کرام کے اقوال سے سجدۂ تعظیمی کا جواز نہیں ثابت ہے۔ بلکہ ناجائز اور حرام ہونا ثابت ہے۔

قرآن کریم سے سجدہ تعظیمی کی حرمت

قرآن کریم پارہ سوم رکوع ۱۶ میں ہے ۔ اَیَامُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۔ یعنی کیا نبی تمہیں کفر کا حکم دے بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو ۔

عبد بن حمید اپنی مسند میں سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا ۔

بَلَغَنِیْ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ نُسَلِّمُ عَلَیْکَ کَمَا یُسَلِّمُ بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ اَفَلَا نَسْجُدُ لَکَ قَالَ لَا وَلٰکِنْ اَکْرِمُوْا نَبِیَّکُمْ وَاعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَھْلِہٖ فَاِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّسْجَدَ لِاَحَدٍ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَا کَانَ لِبَشَرٍ اِلٰی قَوْلِہٖ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥

مجھے حدیث پہونچی کہ ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم حضور کو بھی ایسا ہی سلام کرتے ہیں جیسا کہ آپس میں کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کریں ؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ اپنے نبی کی تعظیم کرو اور سجدہ خاص حق خدا ہے اسی کے لئے رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ۔

اگرچہ بعض مفسرین نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ نجران کے نصاریٰ نے جب کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ انہیں رب ٹھہرائیں تو اس آیت کا نزول ہوا لیکن تفسیر مدارک ، تفسیر ابو السعود ، تفسیر کبیر اور جمل وغیرہم عامہ مفسرین نے سبب اول ہی کو ترجیح دی ہے کہ مسلمانوں نے حضور کو سجدہ کرنے کی درخواست کی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ۔ کہ آخر آیت میں فرمایا ۔

أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ کیا تمہیں کفر کا حکم دیں بعد اس کے کہ
مُسْلِمُوْنَ ٥ تم مسلمان ہو۔

تو واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ مخاطب نصاریٰ نہیں ہیں بلکہ مسلمان ہیں جنہوں نے سجدہ کی درخواست کی تھی تفسیر مدارک میں ہے قولُہٗ تعالیٰ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الْمُخَاطَبِيْنَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ وَهُمُ الَّذِيْنَ اسْتَأْذَنُوْهُ أَنْ يَّسْجُدُوْا لَهٗ تفسیر ابوالسعود میں اللہ تعالیٰ کے قول بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ کے بعد ہے يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الْخِطَابَ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَهُمُ الْمُسْتَأْذِنُوْنَ لِلسُّجُوْدِ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ اور تفسیر کبیر میں صاحب کشاف کے قول کو نقل کر کے مقرر رکھا چنانچہ فرمایا۔
قَالَ صَاحِبُ الْكَشَّافِ قَوْلُهٗ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْمُخَاطَبِيْنَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ وَهُمُ الَّذِيْنَ اسْتَأْذَنُوا الرَّسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَنْ يَّسْجُدُوْا لَهٗ اور جمل میں تفسیر جلالین کے قول أَوْ لَمَّا طَلَبَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ السُّجُوْدَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے تحت فرمایا يُقَرِّبُ هٰذَا الْاِحْتِمَالَ قَوْلُهٗ فِيْ اٰخِرِ الْاٰيَةِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ٥

مذکورہ بالا تفاسیر کے عبارتوں سے آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہو گیا کہ صحابہ نے حضور کو سجدہ کی درخواست کی اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

اور صحابہ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے سجدۂ عبادت کی درخواست کی تھی دو وجہ سے باطل ہے اول اس لئے کہ مخالف و موافق ہر شخص اچھی طرح جانتا تھا کہ حضور ایک، اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور کہ،

کے برابر کسی دوسری چیز کو دشمن نہیں رکھتے تو صحابۂ کرام سے عبادت نبی کی درخواست اور وہ بھی خود نبی سے کیونکر متصور ہو سکتی ہے ؟ دوسرے اس لئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ عبادت غیر اللہ کی درخواست کر کے تم کافر ہو گئے دو بارہ اسلام لاؤ بلکہ جواب میں یہ فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔

یہیں سے یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ آیت کریمہ میں لفظ کفر سے حقیقی کفر نہیں مراد ہے اس لئے کہ حقیقی کفر کی درخواست کر کے بھی آدمی مسلمان نہیں رہ جاتا تو پھر کیونکر فرمایا جاتا اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست کو کفر ... کیوں تعبیر فرمایا ؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدۂ تحیت کی صورت بعینہا صورت کفر ہے۔ تو وہ کفر صوری ضرور ہے اس لئے اسے کفر سے تعبیر کیا گیا۔ تو قرآن کریم کے اس انداز بیان نے ثابت کر دیا کہ سجدۂ تعظیمی ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے اس سے بچنا واجب اور لازم ہے چنانچہ اکلیل فی استنباط التنزیل میں اسی آیت کریمہ کے تحت فرمایا۔

فَفِیْهِ تَحْرِیْمُ السُّجُوْدِ لِغَیْرِ اللہِ تَعَالٰی۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ غیر خدا کے لئے سجدہ حرام ہے۔

احادیث کریمہ سے سجدۂ تعظیمی کی حرمت

(حدیث اول) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تعالیٰ علیہ وسلم لو کنت امرُ احدًا ان یسجد لاحدٍ لامرتُ المرأۃ ان تسجد لزوجھا۔

کہ اگر میں کسی کو کسی (مخلوق) کے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(ترمذی۔ مشکوٰۃ صد ۲۸۱)

اس حدیث کے تحت حضرت ملّا علی قاری علیہ رحمۃ الباری تحریر فرماتے ہیں۔

ان السجدۃ لا تحل لغیر اللّٰہ۔

غیر اللہ کے لئے سجدہ حلال نہیں ہے (مرقاۃ جلد سوم صد ۴۶۷)

(حدیث دوم) عن قیس بن سعدٍ قال اتیت الحیرۃ فرأیتھم یسجدون لمرزبان لھم فقلت لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم احق ان یسجد لہ فاتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فقلت انی اتیت الحیرۃ فرأیتھم یسجدون لمرزبان لھم فانت احق بان یسجد لک فقال لی ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد لہ فقلت لا فقال لا تفعلوا لو کنت امرُ احدًا ان یسجد

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں شہر حیرہ گیا تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ حضور نے فرمایا کہ اگر تم ہمارے مزار پر گزرو تو کیا مزار کو سجدہ کروگے؟ میں نے عرض کیا نہیں حضور نے فرمایا ایسا نہ کرنا اگر میں کسی کو کسی (مخلوق) کے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو ضرور میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

(ابوداؤد۔ مشکوٰۃ صد ۲۸۲)

لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ يَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ۔

(حدیث سوم) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَآءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهٗ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ لَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ نے آکر حضور کو سجدہ کیا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! چوپائے اور درخت حضور کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ حضور کو سجدہ کریں حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور ہماری تعظیم کرو اگر میں کسی کو کسی (مخلوق) کے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(احمد۔ مشکوٰۃ صـ۲۸۳)

(حدیث چہارم) محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور کتاب موطا امام محمد باب القبر یتخذ مسجدًا او یصلّٰی علیہ میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ۔

یہود کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا

(حدیث پنجم) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْہُ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے مرض میں فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو محل سجدہ بنالیا۔

(بخاری مسلم مشکوٰۃ ص ۶۹)

اس حدیث کے تحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ الباری تحریر فرماتے ہیں۔

قَالَ الْقَاضِیْ کَانَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی یَسْجُدُوْنَ لِقُبُوْرِ اَنْبِیَائِهِمْ وَیَجْعَلُوْنَ قِبْلَۃً یَتَوَجَّهُوْنَ فِی الصَّلٰوۃِ نَحْوَهَا فَاتَّخَذُوْهَا اَوْثَانًا فَلِذٰلِكَ لَعَنَهُمْ وَمَنَعَ الْمُسْلِمِیْنَ عَنْ مِثْلِ ذٰلِكَ۔

علامہ قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کے مزارات کو سجدہ کرنے اور انہیں قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف مونہہ کرتے تو انہوں نے ان کو بت بنالیا اس لئے حضور نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۴۵۶)

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

یہود ونصاریٰ کہ قبور انبیاء را مساجد گرفتند ایں بر دو طریق متصور ست یکے آنکہ سجدہ بقبور برند مقصود عبادت آں دارند چنانکہ بت پرستاں

یہود ونصاریٰ نے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات کو سجدہ گاہ بنایا تھا وہ دو طرح پر متصور ہے ایک تو یہ کہ مزار کو سجدہ کرتے تھے اور اسی کو

بت می پرستند۔ دوم آنکہ مقصود و منظور عبادت مولیٰ تعالیٰ دارند و لیکن اعتقاد برند کہ توجہ بقبور ایشاں در نماز و عبادت حق موجب قرب و رضائے وے تعالیٰ ست و ایں ہر دو طریق نامرضی و نامشروع ست اول خود شرک جلی کفر ست و ثانی نیز حرام ست از جہت آنکہ دروے نیز اشتراک بخدا است۔ اگرچہ خفی ست و بہر دو طریق لعن متوجہ است و نماز گزاردن بجانب قبر نبی یا مرد صالح بقصد تبرک و تعظیم حرام ست ہیچ راکس را دراں خلاف نیست۔

(اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۳۳۰)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

مقصود عبادت سمجھتے تھے، جیسے کہ بت پرست لوگ بت کی پرستش کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت مقصود اور منظور تھی لیکن وہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت اور نماز میں انبیاء علیہم السلام کی قبروں کا سامنے ہونا خدائے تعالیٰ کی نزدیکی اور اس کی خوشی کا سبب ہے اور یہ دونوں صورتیں ناپسندیدہ و ناجائز ہیں اول تو شرک جلی اور کفر ہے اور دوسری صورت بھی حرام ہے اس لئے کہ اس صورت میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے اگرچہ یہ شرک خفی ہے اور لعنت دونوں صورتوں میں ہے اور برکت و تعظیم کے قصد سے کسی نبی یا ولی کے مزار کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا حرام ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔

حدیث و شارحین حدیث کے ان اقوال سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قبر سامنے ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ حرام و ناجائز ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ خود قبر کو سجدہ کرنا بدرجۂ اولیٰ حرام و ناجائز ہے۔

فقہائے کرام کے نزدیک سجدہ تعظیمی حرام ہے

۱۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری تحریر فرماتے ہیں۔

اَلسَّجْدَۃُ حَرَامٌ لِغَیْرِہٖ سُبْحَانَہٗ — غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہے (شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۳۰)

۲۔ فتاوی عالمگیری جلد پنجم مصری صفحہ ۲۳۱ میں جواہر الاخلاطی سے ہے۔

مَنْ سَجَدَ لِلسُّلْطَانِ عَلٰی وَجْہِ التَّحِیَّۃِ اَوْ قَبَّلَ الْاَرْضَ بَیْنَ یَدَیْہِ لَا یَکْفُرُ وَلٰکِنْ یَاْثِمُ لِارْتِکَابِ الْکَبِیْرَۃِ ھُوَ الْمُخْتَارُ وَقَالَ الْفَقِیْہُ اَبُوْجَعْفَرٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ اِنْ سَجَدَ لِلسُّلْطَانِ بِنِیَّۃِ الْعِبَادَۃِ اَوْ لَمْ تَحْضُرْہُ النِّیَّۃُ فَقَدْ کَفَرَ۔

جس نے بطور تحیت بادشاہ کو سجدہ کیا یا اس کے سامنے زمین چومی تو کافر نہ ہوا۔ مگر ارتکاب کبیرہ کے سبب گنہگار ہوا۔ مذہب مختار یہی ہے اور فقیہ ابوجعفر علیہ نے فرمایا کہ اگر عبادت کی نیت سے بادشاہ کو سجدہ کیا یا عبادت و تحیت کوئی نیت اس وقت نہ تھی۔ تو بے شک، کافر ہوگیا۔

۳۔ پھر فتاوی عالمگیری کے اسی صفحہ پر فتاوی غرائب سے ہے۔

لَا یَجُوْزُ السُّجُوْدُ اِلَّا لِلّٰہِ تَعَالٰی — غیر خدا کے لئے سجدہ جائز نہیں۔

۴۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

اجماع قطعی است بر تحریم سجدہ — (تعظیمی) سجدہ حرام ہونے پر اجماع قطعی ہے

(فتاوی عزیزیہ مطبوعہ رحیمیہ جلد اول صفحہ ۱۰۱)

سجدہ تو سجدہ زمین بوسی بھی حرام ہے

۵۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مصری ص۳۲۱ میں جامع صغیر و تتارخانیہ سے ہے۔

تَقْبِیْلُ الْاَرْضِ بَیْنَ یَدَیِ الْعَظِیْمِ حَرَامٌ وَاِنَّ الْفَاعِلَ وَالرَّاضِیَ اٰثِمَانِ۔

بزرگوں کے سامنے زمین بوسی حرام ہے اور چومنے والے اور اس پر راضی ہونے والے دونوں گنہگار ہیں۔

۶۔ ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری تحریر فرماتے ہیں۔

اَمَّا تَقْبِیْلُ الْاَرْضِ فَھُوَ قَرِیْبٌ مِنَ السُّجُوْدِ اِلَّا اَنَّ وَضْعَ الْجَبِیْنِ اَوِ الْخَدِّ عَلَی الْاَرْضِ اَفْحَشُ وَاَقْبَحُ مِنْ تَقْبِیْلِ الْاَرْضِ۔ (شرح شفا ص۴۳۹)

زمین چومنا سجدہ کے قریب ہے اور پیشانی یا رخسار زمین پر رکھنا اس سے کہیں زیادہ قبیح ہے۔

۷۔ پھر فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مصری ص۳۲۱ میں فتاویٰ غرائب سے ہے۔

تَقْبِیْلُ الْاَرْضِ بَیْنَ یَدَیِ الْعُلَمَاءِ وَالزُّھَّادِ فِعْلُ الْجُھَّالِ وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِیْ اٰثِمَانِ۔

عالموں اور بزرگوں کے سامنے زمین چومنا جاہلوں کا کام ہے زمین چومنے والے اور اس پر راضی ہونے والے دونوں گنہگار ہیں

۸۔ کتاب الحظر والاباحۃ درمختار جلد پنجم وکفایہ کرلانی شرح ہدایہ تقبیل فصل فی البیع میں ہے۔

مَا یَفْعَلُوْنَہٗ مِنْ تَقْبِیْلِ الْاَرْضِ بَیْنَ یَدَیِ الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِیْ بِہٖ

عالموں اور بزرگوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے چومنے والے اور اس پر راضی ہونے والے ۔۔ دونوں گنہگار ہیں

اَثْمَانِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ عِبَادَۃَ الْوَثَنِ — اس لئے کہ یہ فعل بت پرستی کے مشابہ ہے۔

درمختار میں اتنی عبارت زیادہ ہے۔

ھَلْ یَکْفُرُ اِنْ عَلٰی وَجْہِ الْعِبَادَۃِ وَالتَّعْظِیْمِ کُفْرٌ وَاِنْ عَلٰی وَجْہِ التَّحِیَّۃِ لَا وَصَارَ اٰثِمًا مُرْتَکِبًا لِلْکَبِیْرَۃِ۔ — (سوال) کیا زمین چومنے والا کافر ہو جائے گا۔؟ (جواب) اگر زمین بوسی بطریق عبادت و تعظیم (مثل تعظیم الٰہی) کرے تو کافر ہے اور اگر بطریق تحیت ہو تو کافر نہیں گنہگار مرتکب کبیرہ ہے۔

فقہائے کرام کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ زمین چومنا بُت پرستی کی مشابہت کے سبب حرام ہے حالانکہ وہ حقیقت میں سجدہ نہیں اس لئے سجدہ میں پیشانی زمین پر رکھنی ضروری ہے تو جب زمین بوسی کا یہ حال ہے تو خود سجدہ بت پرستی کی مشابہت کے سبب کس درجہ سخت ناجائز و حرام ہوگا۔ العیاذ باللہ (ماخوذ از زبدۃ الزکیہ فی حرمۃ سجود التحیہ۔ رسالہ مبارکہ اعلحضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان)

بقدر رکوع جھکنا بھی منع ہے۔

۹۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مطبوعہ مصر ص ۳۲۱ میں جواہر الاخلاطی سے ہے

اَلْاِنْحِنَاءُ لِلسُّلْطَانِ اَوْ لِغَیْرِہٖ مَکْرُوْہٌ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ فِعْلَ الْمَجُوْسِ۔ — بادشاہ ہو یا کوئی دوسرا ہو اس کے لئے بقدر رکوع جھکنا منع ہے کہ یہ مجوس کے فعل سے مشابہ ہے۔

۱۰۔ شامی جلد پنجم صـ ۲۴۶ میں محیط سے ہے

یُکْرَہُ الْاِنْحِنَاءُ لِلسُّلْطَانِ وَغَیْرِہٖ۔ بادشاہ ہو خواہ کوئی ہو اس کے لئے بقدر رکوع جھکنا منع ہے۔

۱۱۔ پھر فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم صـ ۳۲۱ میں تمرتاشی سے ہے۔

یُکْرَہُ الْاِنْحِنَاءُ عِنْدَ التَّحِیَّۃِ وَبِہٖ وَرَدَ النَّھْیُ۔ سلام کرتے وقت بقدر رکوع جھکنا منع ہے حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی ہے

انتباہ:۔ سجدۂ تعظیمی کے جواز کے ثبوت میں حضرت آدم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے واقعہ کو پیش کرنا جہالت ہے اس لئے کہ سجدہ کی نوعیت میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے کہا کہ وہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور حضرت آدم اور حضرت یوسف علیہما السلام بحیثیت قبلہ کے تھے جیسا کہ تفسیر خازن اور معالم التنزیل وغیرہما میں ہے۔

قِیْلَ مَعْنٰی قَوْلِہٖ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اَیْ اِلٰی اٰدَمَ فَکَانَ اٰدَمُ قِبْلَۃً وَالسُّجُوْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی کَمَا جُعِلَتِ الْکَعْبَۃُ قِبْلَۃَ الصَّلٰوۃِ وَالصَّلٰوۃُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ آدم کی طرف سجدہ کرو۔ تو آدم قبلہ تھے اور سجدہ اللہ تعالیٰ کیلئے تھا۔ جیسے کہ کعبہ نماز کا قبلہ ہے اور نماز اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

اور سورۂ یوسف میں ہے۔

رُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ قَالَ مَعْنَاہُ خَرُّوْا لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ سُجَّدًا بَیْنَ یَدَیْ یُوْسُفَ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یوسف کے سامنے سجدہ میں گرے۔

اور اگر حضرت آدم و حضرت یوسف علیہما السلام ہی کے لئے سجدہ مان لیا جائے تو وہ سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے ساتھ نہیں تھا بلکہ صرف جھکنا اور تواضع کرنا تھا جیسا کہ تفسیر جلالین میں علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ

اور سجدہ یوسف میں فرمایا۔ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا سُجُوْدَ انْحِنَاءٍ لَا وَضْعِ جَبْهَةٍ وَكَانَ تَحِيَّتُهُمْ فِیْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ۔

اور حضرت علامہ جلال الدین محلی سورۂ کہف میں فرماتے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سُجُوْدَ انْحِنَاءٍ لَا وَضْعِ جَبْهَةٍ تَحِيَّةً لَّهٗ۔

اور تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن میں ہے۔

لَمْ يَكُنْ فِيْهِ وَضْعُ الْوَجْهِ عَلَى الْاَرْضِ اِنَّمَا كَانَ الْاِنْحِنَاءُ فَلَمَّا جَاءَ الْاِسْلَامُ اَبْطَلَ ذٰلِكَ بِالسَّلَامِ۔

سجدہ میں زمین پر مونہہ رکھنا نہیں تھا صرف جھکنا تھا جب اسلام آیا اسے بھی سلام مقرر کر کے باطل فرما دیا۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اور سجدہ یوسف میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُرِدْ بِالسُّجُوْدِ وَضْعَ الْجِبَاهِ عَلَى الْاَرْضِ وَاِنَّمَا هُوَ الْاِنْحِنَاءُ

سجدہ سے زمین پر پیشانی رکھنا مراد نہیں ہے وہ تو صرف جھکنا اور تواضع کرنا تھا۔

اور اگر حضرت آدم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے لئے سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کے ساتھ مان بھی لیا جائے تو وہ ہماری شریعت میں منسوخ ہے جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل سورۂ یوسف میں ہے۔

قِيْلَ وَضَعُوا الْجِبَاهَ عَلَى الْاَرْضِ بعض نے کہا تحیت و تعظیم کے طور پر

فَکَانَ ذٰلِکَ عَلٰی طَرِیْقِ التَّحِیَّةِ وَالتَّعْظِیْمِ لَا عَلٰی طَرِیْقِ الْعِبَادَةِ وَکَانَ ذٰلِکَ جَائِزًا فِی الْاُمَمِ السَّابِقَةِ فَنُسِخَ فِیْ هٰذِہِ الشَّرِیْعَةِ۔	پیشانی زمین پر رکھی نہ کہ بطریق عبادت اور یہ اگلی امتوں میں جائز تھا اس شریعت میں منسوخ ہوگیا۔

اور شامی جلد پنجم صـ ۲۴۶ میں ہے۔

اِخْتَلَفُوْا فِیْ سُجُوْدِ الْمَلٰئِکَةِ قِیْلَ کَانَ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَالتَّوَجُّهُ اِلٰی اٰدَمَ لِلتَّشْرِیْفِ کَاسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ وَقِیْلَ بَلْ لِاٰدَمَ عَلٰی وَجْهِ التَّحِیَّةِ وَالْاِکْرَامِ ثُمَّ نُسِخَ بِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَوْ اَمَرْتُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا تاتر خانیہ قَالَ فِیْ تَبْیِیْنِ الْمَحَارِمِ وَالصَّحِیْحُ الثَّانِیْ وَلَمْ یَکُنْ عِبَادَةً لَهٗ بَلْ تَحِیَّةً وَاِکْرَامًا وَلِذَا امْتَنَعَ اِبْلِیْسُ وَکَانَ جَائِزًا فِیْمَا مَضٰی کَمَا فِیْ قِصَّةِ یُوْسُفَ قَالَ اَبُوْ مَنْصُوْرِ الْمَاتُرِیْدِیْ وَفِیْهِ دَلِیْلٌ عَلٰی نَسْخِ	سجدۂ ملائکہ کے بارے میں علما کو اختلاف ہے بعض نے کہا کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کیلئے تھا اور آدم علیہ السلام کے اعزاز کے لئے مونھہ ان کی طرف تھا۔ جیسے کہ کعبہ کی طرف مونھہ کیا جاتا ہے اور بعض نے کہا بلکہ سجدہ آدم علیہ السلام کو تحیت و تکریم کے طور پر تھا۔ پھر اس حدیث سے منسوخ ہوگیا کہ اگر میں کسی کو کسی (مخلوق) کے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے (تتارخانیہ) اور تبیین المحارم میں فرمایا صحیح قول دوم ہے اور یہ انکی عبادت نہ تھی بلکہ تحیت و تکریم تھی اسی لئے ابلیس اس سے باز رہا اور سجدۂ تحیت اگلی شریعتوں میں جائز تھا جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے امام اہلسنت ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الْكِتَابِ بِالسُّنَّةِ ۔ ✤ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ اس

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ بات پر دلیل ہے کہ قرآن مجید کا حکم حدیث

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ شریف سے منسوخ ہوجاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جلال الدین احمد الامجدی
کتبہ

۲۳ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

(۱) صح الجواب بعون الملک الوہاب والمجیب العلام مصیب ومثاب ۔ عبد [illegible] عفی عنہ (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ)

(۲) اصاب من اجاب لانہ [illegible] القشر عن اللباب ۔
غلام جیلانی اعظمی ۔ (شیخ الحدیث دار العلوم براؤں شریف ضلع بستی)

(۳) الجواب صحیح ۔ بدر الدین احمد القادری الرضوی ۔
(صدر المدرسین فیض الرسول براؤں شریف)

(۴) الجواب صحیح ۔ محمد یونس نعیمی اشرفی بستوی

(۵) الجواب حق وثواب واتباعہ واجب علی الاحباب ۔
العبد حکیم محمد نعیم الدین صدیقی رضوی گورکھپوری ۔

(۶) الجواب صحیح ۔ محمد قدرت اللہ الرضوی غفرلہ ۔
مدرس دار العلوم منظر حق ٹانڈہ (فیض آباد)